بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

رسالہ

شہادۃ القرآن

مصنفہ

حضرت میرزا غلام احمد مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

ملنے کا پتہ
منیجر بکڈپو تالیف و اشاعت قادیان ضلع گورداسپور
بار ہفتم — سنہ ۱۹۴۶ء — تعداد ۵۰۰
مطبوعہ مطبع ضیاء الاسلام قادیان

شہادۃ القرآن

بار اول ۔ ۱۸۹۳ء ۔ مطبع پنجاب پریس سیالکوٹ

بار دوم ۔ ـــــ ” ضیاء الاسلام قادیان

بار سوم ۔ ـــــ ” پنجاب پریس سیالکوٹ ۔

بار چہارم ۔ ستمبر ۱۹۲۳ء ۔ ” وزیر ہند ۔ امرتسر

بار پنجم ۔ اپریل ۱۹۳۰ء ۔ ” ”

بار ششم ۔ ۱۹۳۹ء ۔ ” اللہ بخش سٹیم پریس قادیان

بار ہفتم ۔ اپریل ۱۹۴۶ء ۔ ” ضیاء الاسلام قادیان

گورنمنٹ کی توجّہ کے لائق

یہ عاجز صاف اور مختصر لفظوں میں گذارش کرتا ہے کہ بباعث اسکے کہ گورنمنٹ انگریزی کے احسانات میرے والد بزرگوار میرزا غلام مرتضیٰ مرحوم کے وقت سے آجتک اس خاندان کے شامل حال ہیں اس لئے نہ کسی تکلف سے بلکہ میرے رگ و ریشہ میں شکرگذاری اس معزز گورنمنٹ کی سمائی ہوئی ہے۔ میرے والد مرحوم کی سوانح میں سے وہ خدمات کسی طرح الگ ہو نہیں سکتیں جو وہ خلوص دل سے اس گورنمنٹ کی خیر خواہی میں بجالائے انہوں نے اپنی حیثیت اور مقدرت کے موافق ہمیشہ گورنمنٹ کی خدمت گذاری میں اس کی مختلف حالتوں اور ضرورتوں کے وقت وہ صدق اور وفاداری دکھلائی کہ جب تک انسان سچے دل اور تہ دل سے کسی کا خیرخواہ نہ ہو ہرگز دکھلا نہیں سکتا۔ سن ستاون کے مفسدہ میں جبکہ بے تمیز لوگوں نے اپنی محسن گورنمنٹ کا مقابلہ کرکے ملک میں شور ڈال دیا تب میرے والد بزرگوار نے پچاس گھوڑے اپنی گرہ سے خرید کرکے اور پچاس سوار بہم پہنچا کر گورنمنٹ کی خدمت میں پیش کئے اور پھر ایک دفعہ چودہ سوار سے خدمتگذاری کی اور انھیں مخلصانہ خدمات کی وجہ سے وہ اس گورنمنٹ میں ہر دلعزیز ہو گئے چنانچہ جناب گورنر جنرل کے دربار میں عزت کے ساتھ ان کو کرسی ملتی تھی اور ہر یک درجہ کے حکام انگریزی بڑی عزت اور دلجوئی سے پیش آتے تھے انھوں نے میرے بھائی کو صرف گورنمنٹ کی خدمتگذاری کے لئے بعض لڑائیوں پر بھیجا اور ہر ایک باب میں گورنمنٹ کی خوشنودی حاصل کی اور اپنی تمام عمر نیک نامی کے ساتھ بسر کرکے اس ناپائدار دنیا سے گذر گئے بعد اس کے اس عاجز کا بڑا بھائی میرزا غلام قادر جس قدر مدت تک زندہ رہا اس نے بھی اپنے والد مرحوم کے قدم پر قدم مارا اور گورنمنٹ کی مخلصانہ خدمت

میں بدل وجان مصروف رہا پھر وہ بھی اس مسافر خانہ سے گذر گیا۔ میں امید رکھتا ہوں کہ اب بھی بہت سے حکام انگریز بقید حیات ہونگے جنہوں نے میرے والد صاحب کو دیکھا اور انکی مخلصانہ خدمات کو بچشم خود مشاہدہ کیا ہے چنانچہ منجملہ اُن کے مسٹر گریفن ہیں جنہوں نے رئیسان پنجاب کے بارہ میں ایک کتاب بھی لکھی ہے اور اس میں میرے والد صاحب کا بھی خیر اور خوبی سے ذکر کیا ہے

اب میری حالت یہ ہے کہ بعد وفات پا جانے ان عزیزوں اور بزرگوں کے خدا تعالے نے میرے دل کو دنیا سے پھیر دیا اور مینے چاہا کہ خدا تعالیٰ سے میرا معاملہ کامل طور کی سچائی اور صدق اور محبت سے ہو سو اُس نے میرے دل کو اپنی محبت سے بھر دیا مگر نہ میری کوشش سے بلکہ اپنے فضل سے۔ تب مینے چاہا کہ جہاں تک میرے لئے ممکن ہے معرفت اور محبت الٰہی میں ترقی کروں اور صحیح طور پر معلوم کروں کہ خدا کون ہے اور اُسکی رضا کن باتوں میں ہے سو مینے ہر یک تعصب سے دل کو پاک کیا اور ہر یک آلودگی سے آنکھ کو صاف کرکے دیکھا اور خدا تعالیٰ سے مدد چاہی تب میرے پر کُھل گیا اور خدا تعالیٰ نے اپنے پاک الہام سے مجھے آگاہی بخشی کہ خدا وہ ذات ہے جو اپنی تمام صفات میں کامل ہے اور ازل سے ایک ہی رنگ اور ایک ہی طریق پر چلا آتا ہے نہ اس میں حدوث ہے نہ وہ پیدا ہوتا ہے نہ مرتا ہے اور کوئی پیدا ہونے والا اور مرنے والا بجز عبودیت کے کوئی ایسا تعلق اُس سے نہیں رکھتا جسے کہا جائے کہ وہ اُسکی خدائی کا حصہ دار ہے بلکہ ایسا خیال کرنا اُس ذات کے انکار سے بھی بدتر اور انسان کی تمام بدکاریوں سے بڑھ کر ایک سخت درجہ کا بُرا خیال ہے۔ یہ سچ اور بالکل سچ ہے کہ خدا تعالیٰ کے مقبول بندوں میں سے زیادہ مرتبہ پر وہ لوگ ہیں جن کا نام نبی یا رسول ہے بیشک وہ خدا تعالیٰ کے پیارے ہیں مقبول ہیں نہایت درجہ کے عزت دار ہیں اسی میں کھوئے گئے اور اسی کا روپ بن گئے اور خدا تعالیٰ کا جلال ان میں سے ظاہر ہوا۔ اور خدا اُن میں اور وہ خدا میں ہیں تاہم انہیں سے ہم حقیقتاً نہ کسی کو خدا کہہ سکتے ہیں اور نہ خدا کا بیٹا بلاشبہ اس اختلاف میں مسلمان حق پر ہیں اور عیسائی غلطی پر۔ مگر یہ غلطی اس زمانہ میں عیسائیوں میں قائم ہونیوالی نظر نہیں آتی انگریز ایک ایسی قوم ہے جنکو خدا تعالیٰ دن بدن اقبال اور دولت اور عقل اور دانش کیطرف کھینچتا چلا جاتا ہے اور جو سچائی

اور راستبازی اور انصاف میں روز بروز ترقی کرتے جاتے ہیں اور علوم جدیدہ اور قدیمہ کا تو ایک چشمہ بہہ رہا ہے اس لئے امید قوی ہے کہ خدا تعالیٰ یہ دولت بھی انہیں دیگا بلکہ میری دانست میں تو دلوں کو اندر ہی اندر دے دی ہے بہرحال جبکہ ہمارے نظام بدنی اور امور دنیوی میں خدا تعالیٰ نے اس قوم میں سے ہمارے لئے گورنمنٹ قائم کی اور ہم نے اس گورنمنٹ کے وہ احسانات دیکھے جن کا شکر کرنا کوئی سہل بات نہیں اس لئے ہم اپنی معزز گورنمنٹ کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم اس گورنمنٹ کے اسی طرح مخلص اور خیر خواہ ہیں جس طرح کہ ہمارے بزرگ تھے۔ ہمارے ہاتھ میں بجز دعا کے اور کیا ہے سو ہم دعا کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اس گورنمنٹ کو ہریک شر سے محفوظ رکھے اور اس کے دشمن کو ذلت کے ساتھ پسپا کرے خدا تعالیٰ نے ہم پر محسن گورنمنٹ کا شکر ایسا ہی فرض کیا ہے جیسا کہ اس کا شکر کرنا۔ سو اگر ہم اس محسن گورنمنٹ کا شکر ادا نہ کریں یا کوئی شر اپنے ارادہ میں رکھیں تو ہم نے خدا تعالیٰ کا بھی شکر ادا نہ کیا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ شکر اور کسی محسن گورنمنٹ کا شکر جس کو خدا تعالیٰ اپنے بندوں کو بطور نعمت کے عطا کرے درحقیقت یہ دونوں ایک ہی چیز ہیں اور ایک دوسری سے وابستہ ہیں اور ایک کے چھوڑنے سے دوسری کا چھوڑنا لازم آجاتا ہے بعض احمق اور نادان سوال کرتے ہیں کہ اس گورنمنٹ سے جہاد کرنا درست ہے یا نہیں۔ سو یاد رہے کہ یہ سوال ان کا نہایت حماقت کا ہے کیونکہ جس کے احسانات کا شکر کرنا عین فرض اور واجب ہے اس سے جہاد کیسا۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ محسن کی بدخواہی کرنا ایک حرامی اور بدکار آدمی کا کام ہے۔ سو میرا مذہب جسکو میں بار بار ظاہر کرتا ہوں یہی ہے کہ اسلام کے دو حصے ہیں۔ ایک یہ کہ خدا تعالیٰ کی اطاعت کریں۔ دوسرے اس سلطنت کی جس نے امن قائم کیا ہو جس نے ظالموں کے ہاتھ سے اپنے سایہ میں ہمیں پناہ دی ہو سو وہ سلطنت حکومت برطانیہ ہے اگرچہ سچ ہے کہ ہم یورپ کی قوموں کے ساتھ اختلاف مذہب رکھتے ہیں اور ہم ہرگز خدا تعالیٰ کی نسبت وہ

باتیں پسند نہیں رکھتے جو انھوں نے پسند کی ہیں لیکن ان مذہبی امور کو رعیت اور گورنمنٹ کے رشتہ سے کچھ علاقہ نہیں خدا تعالےٰ ہمیں صاف تعلیم دیتا ہے کہ جس بادشاہ کے زیر سایہ امن کے ساتھ بسر کرو۔ اُس کے شکرگذار اور فرمانبردار بنے رہو سو اگر ہم گورنمنٹ برطانیہ سے سرکشی کریں تو گویا اسلام اور خدا اور رسول سے سرکشی کرتے ہیں۔ اِس صورت میں ہم سے زیادہ بددیانت کون ہوگا کیونکہ خدا تعالیٰ کے قانون اور شریعت کو ہم نے چھوڑ دیا۔ اِس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ مسلمانوں میں بہت سے ایسے لوگ ہیں جن کا مذہبی تعصب اُن کے عدل اور انصاف پر غالب آگیا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی جہالت سے ایک ایسے خونخوار مہدی کے انتظار میں ہیں کہ گویا وہ زمین کو مخالفوں کے خون سے سُرخ کردیگا اور نہ صرف یہی بلکہ یہ بھی ان کا خیال ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام بھی آسمان سے اسی غرض سے اُتریں گے کہ جو مہدی کے ہاتھ سے یہود و نصاریٰ زندہ رہ گئے ہیں اُن کے خون سے بھی زمین پر ایک دریا بہا دیں لیکن یہ خیالات بعض مُسلمانوں مثلاً شیخ محمد حسین بٹالوی اور اُسکی جماعت کے سراسر غلط اور کتاب اللہ کے مخالف ہیں۔ یہ نادان خون پسند ہیں اور محبت اور خیر خواہی خلق اللہ کی سرموان میں نہیں لیکن ہمارا سچا اور صحیح مذہب جسپر ہمیں یہ لوگ کافر ٹھہراتے ہیں یہ ہے کہ مہدی کے نام پر آنے والا کوئی نہیں۔ ہاں مسیح موعود آگیا مگر کوئی تلوار نہیں چلے گی اور امن سے اور سچائی سے اور محبت سے زمانہ توحید کی طرف ایک پلٹا کھائے گا اور وہ وقت آتا ہے بلکہ قریب ہے کہ زمین پر نہ رامچندر پوجا جاویگا نہ کرشن اور نہ حضرت مسیح علیہ السلام۔ اور سچے پرستار اپنے حقیقی خدا کی طرف رُخ کرینگے۔ اور یاد رہے کہ جس بادشاہ کے زیر سایہ ہم بامن زندگی بسر کریں اُسکے حقوق کو نگاہ رکھنا فی الواقعہ خدا کے حقوق ادا کرنا ہے اور جب ہم ایسے بادشاہ کی دلی صدق سے اطاعت کرتے ہیں تو گویا اس وقت عبادت کر رہے ہیں کیا اسلام کی یہ تعلیم ہوسکتی ہو کہ ہم اپنے محسن سے بدی کریں۔ اور جو ہمیں ٹھنڈے سایہ میں جگہ دے اُسپر آگ برسا دیں اور جو ہمیں روٹی دے اُسے پتھر ماریں۔ ایسے انسان سے اور کون زیادہ بدذات ہوگا جو احسان کرنیوالے کے ساتھ بدی کا خیال بھی دل میں لاوے۔

اِس تمام تمہید سے مدعا یہ ہے کہ گورنمنٹ کو یاد رہے کہ ہم تہ دل سے اُسکے شکر گذار ہیں اور ہمہ تن اُسکی خیر خواہی میں مصروف ہیں اور مَیں نے سُنا ہے کہ ایک شخص ساکن بٹالہ ضلع گورداسپورہ نے جو اپنے تئیں مولوی ابو سعید محمد حسین کر کے مشہور کرتا ہے اس اختلاف رائے کے سبب سے جو بعض جزئی مسائل میں وہ اس عاجز کے ساتھ رکھتا ہے میری نسبت اپنی سخت دشمنی کی وجہ سے اور سراسر بے انصافی اور درندگی کے جوش سے خلاف واقعہ باتیں گورنمنٹ کو بدظن کرنے کے لئے لکھتا ہے اور میرے خاندان کی مخلصانہ اور خیر خواہی کے تعلق کو جو گورنمنٹ سے ہے غلط بیان کرتا اور چھپاتا اور اپنے افتراؤں کے نیچے دبانا چاہتا ہے اور محض عداوت اور حسد ذاتی کی تحریک سے اس بات پر زور دیتا ہے کہ گویا نعوذ باللہ یہ عاجز گورنمنٹ کا سچا خیر خواہ نہیں ہے۔ یہ نادان ذرہ خیال نہیں کرتا کہ جھوٹے منصوبوں اور بے بنیاد افتراؤں میں ہرگز وہ قوت پیدا نہیں ہوتی کہ جو سچ میں قدرتی طور پر پائی جاتی ہے سچ کی طاقت کا ایک کرشمہ جھوٹ کے پہاڑ کو ذرہ ذرہ کر کے دکھا دیتا ہے اور نیز جو جھوٹ میں ہٹ دھرمی اور بے ایمانی کی عفونت ہوتی ہے وہ حکّام کی خداداد قوت شامہ سے چھپ بھی نہیں سکتی۔ اور اگرچہ یہ تمام افترا اُس کے اس قسم کے تھے کہ ازالہ حیثیت عرفی کی وجہ سے عدالت کے ذریعہ سے اِس کی ان تمام چالاکیوں کا تدارک کرایا جائے لیکن بالفعل یہی مناسب سمجھا گیا کہ معزز گورنمنٹ کو اِس شخص کے اِن افتراؤں سے اطلاع دی جائے اور امید ہے کہ دانا گورنمنٹ ادنیٰ توجہ سے اِس کے اِن بہتانات کو بخوبی سمجھ جائے گی اور وزن کریگی اور جانچ لیگی اور ایسے مفسد کا تدارک نہایت ضروری ہے۔ تا آیندہ کوئی خبیث نفس ایسی حرکات ناشائستہ کی طرف جرأت نہ کرے۔ ہماری دانا اور عادل گورنمنٹ اس بات سے بے خبر نہیں ہے کہ ہر یک مخبر کا یہ فرض ہونا چاہیئے کہ جس معاملہ میں وہ قطعی طور پر گورنمنٹ کو اطلاع دیوے اور اپنی طرف سے قطعی رائے ظاہر کرے تو اس سے پہلے وہ اس معاملہ کو کماحقہ تحقیق بھی کر لیوے۔ اب عادل گورنمنٹ اگر چاہے تو ایک خیر خواہ خاندان کے لئے جس کو اُس نے اپنی خوشنودی کی اعلےٰ درجہ کی اسناد دے رکھی ہے یہ تکلیف اُٹھا سکتی ہے کہ اِس دروغگو مخبر کو جو بذریعہ اپنے رسالہ اشاعت کے خلاف واقعہ خبریں اِس عاجز کی نسبت

گورنمنٹ کو پہنچاتا ہے طلب کر کے اس بات کا ثبوت مانگے کہ اُس نے کن دلائل اور وجوہ سے اس عاجز کو گورنمنٹ انگریزی کا مفسد قرار دیا ہے اور اگر وہ دلائل شافیہ بیان نہ کر سکے تو پھر جس قدر مناسب ہو قانونی سزا کا اسکو کچھ مزہ چکھا دیوے کہ یہ ایک عین مصلحت اور ایک سچے خیر خواہ خاندان کی اس میں دلجوئی متصور ہے اگرچہ ایسے جوش بعض مخالفین مذہب کی تحریرات میں بھی پائے جاتے ہیں جیسے پادری عماد الدین وغیرہ وغیرہ مگر وہ بباعث ناواقفیت اور جوشِ مذہب اور لاعلاج تعصب کے کسی قدر معذور بھی ہیں اور حق بات کو مُنہ سے نہیں نکال سکتے مگر یہ شیخ بٹالوی درحقیقت حد سے گذر گیا ہے عادل گورنمنٹ اس شخص کی تحریرات سنہ ۱۸۹۲ و ۱۸۹۳ء کے ساتھ اِن تحریرات کو بھی دیکھے جو سنہ ۱۸۸۴ء میں اِس شخص کے اشاعۃ السُّنۃ میں اس عاجز کی نسبت موجود ہیں تا معلوم ہو کہ یہ شخص منافق اور حق پوش اور دورنگی اختیار کرنے والا ہے اگرچہ ہم جانتے ہیں کہ زیرک اور دانا اور عادل اور وسیع واقفیت والی گورنمنٹ کے آگے ایسی مکاریاں چل نہیں سکتیں۔ اور یہ عمیق اندیش گورنمنٹ دُور سے ہوا کا رُخ دیکھ لیتی ہے اور متعصبانہ مخبریوں کو حقیر اور شرمناک حسد یقین کر جاتی ہے لیکن تاہم گورنمنٹ پر کوئی وحی تو نازل نہیں ہوتی اور ممکن ہے کہ چند شریروں یک زبان ہونے سے ایسا دھوکہ لگے جو انسان کو لگ سکتا ہے اس لئے ہماری طرف سے کسی قدر عرضِ حال ضروری تھا۔

اب ہم گورنمنٹ کے ملاحظہ کے لئے سنہ ۱۸۸۴ء کے اشاعۃ السنۃ یعنی نمبر ۶ جلد ۷ سے جو براھین احمدیہ پر ریویو ہے کسی قدر عبارت اس شخص کے رسالہ مذکورہ کی گورنمنٹ کے ملاحظہ کے لئے نقل کرتے ہیں تا دانا گورنمنٹ خود ملاحظہ فرما لیوے کہ اس شخص نے اس عاجز کی نسبت پہلے کیا لکھا تھا اور اب کیا لکھتا ہے۔

اور وہ عبارت یہ ہے

پولٹیکل نکتہ چینی کا جواب

مؤلف براہین احمدیہ کے حالات و خیالات سے جس قدر ہم واقف ہیں ہمارے معاصرین سے ایسے واقف کم نکلیں گے۔ مؤلف صاحب ہمارے ہموطن ہیں بلکہ اوائل عمر کے (جبکہ ہم قطبی اور شرح ملا پڑھتے تھے) ہمارے ہم مکتب اُس زمانہ سے آجتک ہم میں اُن میں خط و کتابت و ملاقات و مراسلت برابر جاری رہی ہے اس لئے ہمارا یہ کہنا کہ ہم اُن کے حالات و خیالات سے بہت واقف ہیں مبالغہ قرار نہ دیئے جانے کے لائق ہے۔

گورنمنٹ انگلشیہ کی مخالفت کا خیال کبھی مؤلف کے آس پاس بھی نہیں پھٹکا وہ کیا انکے خاندان میں اِس خیال کا کوئی آدمی نہیں ہی بلکہ انکے والد بزرگوار مرزا غلام مرتضیٰ نے تو عین زمانہ طوفان بے تمیزی (غدر ۱۸۵۷ء) میں گورنمنٹ کا خیر خواہ جان نثار وفادار ہونا عملاً بھی ثابت کر دکھایا۔ اس غدر میں جبکہ ترموں کے گھاٹ پر متصل گورداسپورہ مفسدین بد طینت نے یورش کی تھی۔ انکے والد ماجد نے باوجودیکہ وہ بہت بڑے جاگیردار و سردار نہ تھے اپنی جیب خاص ہی سے پچاس گھوڑے معہ سواران و ساز و سامان طیار کر کے زیر کمان اپنے فرزند دلبند مرزا غلام قادر مرحوم گورنمنٹ کی معاونت میں دیئے جسپر گورنمنٹ کی طرف سے انکی اس خدمت پر شکریہ ادا ہوا اور کسی قدر انعام بھی ملا۔ علاوہ بریں اِن خدمات کے لحاظ سے مرزا صاحب مرحوم (والد مؤلف) ہمیشہ مورد کرم و لطف گورنمنٹ رہے اور دربار گورنری میں عزت کے ساتھ انکو کرسی ملتی رہی اور حکام اعلیٰ ضلع و قسمت (یعنی صاحبان ڈپٹی کمشنر و کمشنر) چٹھیات خوشنودی مزاج (جن میں سے کئی چٹھیات اس وقت ہمارے سامنے رکھی ہوئی ہیں) وقتاً فوقتاً انکو عطا کرتے رہے ہیں۔ ان چٹھیات سے واضح ہوتا ہے کہ وہ سب بڑے دلی جوش سے لکھی گئی ہیں جو بغیر ایک خاص خیر خواہ اور سچے وفادار کے کسی دوسرے کے لئے تحریر نہیں ہو سکتیں۔ اکثر صاحبان ڈپٹی کمشنر و کمشنر ایام دورہ میں از راہ خوش خلقی و محبت و دلجوئی مرزا صاحب کے مکان پر جا کر ملاقات کرتے رہے اور انکی وفات پر صاحبان کمشنر و فنانشل کمشنر اور جناب لفٹنٹ گورنر بہادر نے

اپنے خطوط میں بہت سا افسوس ظاہر کیا ہے اور آیندہ کے لئے قدردانی
اور اس خاندان کے لحاظ اور رعایت کا وعدہ فرمایا ہے اسی شرف خاندان
اور خیرخواہ قدیم ہونیکے لحاظ سے صاحب فنانشل کمشنر بہادر نے ان دنوں میں مرزا سلطان احمد
(فرزند مؤلف) کے لئے تحصیلداری کی خاص سفارش کی ہے جسکی رپورٹ بہ تعمیل حکم ضلع سے روانہ
ہو چکی ہے۔ الغرض یہ خاندان قدیم سے خیرخواہ اور زیر نظر عنایت گورنمنٹ چلا آتا ہے ان
حالات و واقعات کی تصدیق کے لئے منجملہ اُن چٹھیات کے جو اس وقت ہمارے پیش نظر
ہیں ہم تین چٹھیاں حاشیہ میں نقل کرتے ہیں تاکہ حاسد ناعاقبت اندیش اس خاندان کی
گورنمنٹ انگریزی میں قدر و منزلت سے آگاہ ہوکر اپنے ارادہ بد و نیت فاسد سے باز آویں
اور عام مسلمان اُن کے دھوکہ میں آکر اس کتاب اور اُس کے مؤلف سے بدگمان اور متوحش نہ ہوں۔

نقل مراسلہ

(جے نکلسن صاحب)

نمبر ۳۵۳

تہور پناہ شجاعت دستگاہ مرزا غلام مرتضیٰ رئیس قادیان بحفظ
عریضہ شما مشعر بریاد دہانی خدمات و حقوق خود و
خاندان خود بملاحظہ حضور ایں جانب درآمد ما خوب
میدانیم کہ بلاشک شما از ابتدائے دخل حکومت سرکار
انگریزی جان نثار و فاکیش ثابت قدم ماندہ
اید و حقوق شما دراصل قابل قدر اند بہر نہج
تسلی و تشفی دارید سرکار انگریزی حقوق و خدمات
خاندان شمارا ہرگز فراموش نخواہد کرد بموقعہ مناسب
بر حقوق و خدمات شما غور و توجہ کردہ خواہد شد

Translation of Certificate J. Nicholson
To, Mirza Ghulam Murtaza Khan
Chief of Qadian

I have perused your application reminding me of your and your family's past services and rights I am well aware that since the introduction of the British Govt you and your family have certainly remained devoted faithful and steady subject and that your rights are really worthy of regard in every respect. You may rest assured and satisfied that the British Govt

ہر چند خاصکر مؤلف کتاب (میرزا غلام احمد صاحب) سے اُن کے عالمانہ اور درویشانہ وضع وحالت کے سبب کوئی ایسی کارروائی نہیں ہوئی مگر جس قدر خیر خواہی گورنمنٹ منصب علماء اور درویشوں کے مناسب ہے اور ان کی

will [illegible] forget your family rights and services which will receive due consideration when a favourable opportunity offers itself.

You must continue to be faithful and devoted subjects as in it lies the satisfaction of Govt. and your welfare.

11.6.1849.

بایدکہ ہمیشہ ہوا خواہ وجان نثار سرکار انگریزی بمانند کہ دریں امر خوشنودی سرکار و بہبودی شما متصور ست

المرقوم ۱۱ر جون ۱۸۴۹ء

لاہور ۔ انارکلی

Translation of Mr. Robert Cast's Certificate

To,

Mirza Ghulam Murtaza Khan

Chief of Qadian

As you rendered great help in enlisting sowars and supplying horses to Govt. in the mutiny of 1857 and maintained loyalty since its beginning up to date & thereby gained the favour of Govt. a Khilat worth Rs 200/- is presented to you in recognition of good services.

نقل مراسلہ

(رابرٹ کسٹ صاحب بہادر کمشنر لاہور)

تہور وشجاعت دستگاہ مرزا غلام مرتضیٰ رئیس قادیان

بعافیت باشند

ازانجا کہ مفسدہ ہندوستان موقوعہ ۱۸۵۷ء از جانب آپ کے رفاقت وخیر خواہی ومدد دہی سرکار دولتمدار انگلشیہ در باب نگہداشت سواران وبہمرسانی اسپاں بخوبی بمنصۂ ظہور پہنچی اور شروع مفسدہ سے آج تک آپ بدل ہوا خواہ سرکار رہے اور باعث خوشنودی سرکار ہوا لہٰذا بجلدوئے اس خیر خواہی وخیر سگالی کے خلعت مبلغ دو صد روپیہ کا سرکار سے آپ کو عطا ہوتا ہے اور حسب منشا چٹھی صاحب چیف کمشنر بہادر نمبری ۵۷۶

قدرت میں داخل ہے اس سے انھوں نے بھی دریغ نہیں کیا۔ عالموں کی تلوار قلم ہے اور فقیروں کا ہتھیار دُعا مؤلف نے ان ہتھیاروں کے ساتھ گورنمنٹ کی خیر خواہی و معاونت سے دریغ نہیں فرمایا۔ اپنی قلم سے بارہا لکھ

مورخہ ۱۰ر اگست ۱۸۵۸ء پروانہ ہذا باظہار خوشنودی سرکار و نیکنامی و وفاداری بنام آپکے لکھا جاتا ہے

مرقومہ تاریخ ۲۰ر ستمبر ۱۸۵۸ء۔

and as a reward for your loyalty.
Moreover in accordance with wishes
of chief commissioner as conveyed in
his no 576 20th august 58 this perwana
is addressed to you as a token of
satisfaction of Govt for your fidelity
and repute.

نقل مراسلہ فنانشل کمشنر پنجاب

مشفق مہربان دوستان مرزا غلام قادر رئیس قادیان حفظہٗ

آپکا خط ۲۔ ماہ حال کا لکھا ہُوا ملاحظہ حضور اینجانب میں گذرا۔ مرزا غلام مرتضیٰ صاحب آپکے والد کی وفات سے ہم کو بہت افسوس ہُوا مرزا غلام مرتضیٰ سرکار انگریزی کا اچھا خیرخواہ اور وفادار رئیس تھا۔ ہم آپ کی خاندانی لحاظ سے اسی طرح عزت کریں گے جس طرح تمہارے باپ وفادار کی جاتی تھی ہم کو کسی اچھے موقعہ کے نکلنے پر تمہارے خاندان کی بہتری اور پابجائی کا خیال رہیگا۔

المرقوم ۲۹ر جون ۱۸۷۶ء

الراقم سر رابرٹ ایجرٹن صاحب بہادر
فنانشل کمشنر پنجاب

Translation of Sir Robert Egerton.
Financial Commr
Marasla Dated 29th June 1876.

My dear friend Ghulam Qadir,

I have perused your letter of the 2nd. instant and deeply regret the death of your father Mirza Ghulam Murtaza who was a great well wisher and faithful Chief of Govt.

In consideration of your family services I will esteem you with the same respect as that bestowed on your loyal father. I will keep in mind the restoration and welfare of your family when a favourable opportunity occurs.

چکے اور اپنی اسی کتاب میں جس کی اشاعت ان کا سشہار روزی فرض ہے وہ صاف درج کر چکے* ہیں کہ "گورنمنٹ انگلشیہ خدا کی نعمتوں سے ایک نعمت ہے۔ یہ ایک عظیم الشان رحمت ہے۔ یہ سلطنت مسلمانوں کے لئے آسمانی برکت کا

* حاشیہ اصل کلام مولف یہ ہے جو اس کتاب کے حصہ سیوم وچہارم سے بہ تلخیص نقل کیا جاتا ہے حصہ سیوم کے ابتدائی اوراق میں آپ فرماتے ہیں مسلمانوں پر جن امور کا اپنی اصلاح حال کے لئے اپنی ہمت اور کوشش سے انجام دینا لازم ہے۔ وہ انھیں فکر اور غور کے وقت آپ ہی معلوم ہو جائیں گے حاجت بیان وتشریح نہیں مگر اس جگہ ان امروں میں سے یہ امر قابل تذکرہ ہے جس پر گورنمنٹ انگلشیہ کی عنایات اور توجہات موقوف ہیں کہ گورنمنٹ ممدوحہ کے دل پر اچھی طرح یہ امر مرکوز کرنا چاہیئے کہ مسلمانانِ ہند ایک وفادار رعیت ہے کیونکہ بعض ناواقف انگریزوں نے خصوصاً ڈاکٹر ہنٹر صاحب نے جو کمیشن تعلیم کے اب پریزیڈنٹ ہیں اپنی ایک مشہور تصنیف میں اس دعویٰ پر بہت اصرار کیا ہے کہ مسلمان لوگ سرکار انگریزی کے دلی خیر خواہ نہیں ہیں۔ اور انگریزوں سے جہاد کرنا فرض سمجھتے ہیں۔ گو یہ خیال ڈاکٹر صاحب کا شریعت اسلام پر نظر کرنے کے بعد ہر یک شخص پر محض بے اصل اور خلاف واقعہ ثابت ہوگا لیکن افسوس کہ بعض کوہستانی اور بے تمیز سفہا کی نالائق حرکتیں اس خیال کی تائید کرتی ہیں اور شائد انہی اتفاقی مشاہدات سے ڈاکٹر صاحب موصوف کا وہم بھی مستحکم ہو گیا ہے کیونکہ کبھی کبھی جاہل لوگوں کی طرف سے اس قسم کی حرکات صادر ہوتی رہتی ہیں لیکن محقق پر یہ امر پوشیدہ نہیں رہ سکتا کہ اس قسم کے لوگ اسلامی تدین سے دُور و مہجور ہیں اور ایسے ہی مسلمان ہیں جیسے میکلین عیسائی تھا۔ پس ظاہر ہے کہ انکی یہ ذاتی حرکات ہیں نہ شرعی پابندی سے۔ اور اُن کے مقابل پر ان ہزارہا مسلمانوں کو دیکھنا چاہیئے جو ہمیشہ خیر خواہی دولت انگلشیہ کی کرتے رہے ہیں اور کرتے ہیں ۱۸۵۷ء میں جو کچھ فساد ہوا اس میں بجز جہلا اور بد چلن لوگوں کے اور کوئی شائستہ اور نیک بخت مسلمان جو باعلم اور باتمیز تھا ہرگز مفسدہ میں شامل نہیں ہوا بلکہ پنجاب میں بھی غریب غریب مسلمانوں نے سرکار انگریزی کو اپنی طاقت سے زیادہ مدد دی چنانچہ ہمارے والد صاحب مرحوم نے بھی باوصف کم استطاعتی کے اپنے اخلاص اور جوش اور خیر خواہی سے پچاس گھوڑے اپنی گرہ سے خرید کے اور پچاس مضبوط اور لائق سپاہی بہم پہنچا کر

حکم رکھتی ہے خداوند رحیم نے اس سلطنت کو مسلمانوں کے لئے ایک بارانِ رحمت بھیجا ایسی سلطنت سے لڑائی اور جہاد کرنا قطعی حرام ہے۔ اسلام کا یہ اصول نہیں کہ مسلمانوں کی قوم جس سلطنت کے ماتحت رہ کر اس کا احسان

بقیہ حاشیہ سرکار میں بطور مدد کے نذر کئے اور اپنی غریبانہ حالت سے بڑھ کر خیر خواہی دکھلائی اور جو مسلمان صاحب دولت و ملک تھے انہوں نے تو بڑی بڑی خدمات نمایاں ادا کیں۔ اب ہم پھر اس تقریر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ گو مسلمانوں کی طرف سے اخلاص اور وفاداری کے بڑے بڑے نمونہ ظاہر ہوچکے ہیں مگر ڈاکٹر صاحب نے مسلمانوں کی بدنصیبی کی وجہ سے اُن تمام وفاداریوں کو نظر انداز کر دیا اور نتیجہ نکالنے کے وقت اُن مخلصانہ خدمات کو نہ اپنے قیاس کے صغریٰ میں جگہ دی اور نہ کبریٰ میں۔ بہرحال ہمارے بھائی مسلمانوں پر لازم ہے کہ گورنمنٹ پر اُن کے دھوکوں سے متاثر ہونے پہلے بیجد طور پر اپنی خیر خواہی ظاہر کریں جس حالت میں شریعت اسلام کا یہ واضح مسئلہ ہے جس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ ایسی سلطنت سے لڑائی اور جہاد کرنا جس کے زیر سایہ مسلمان لوگ امن اور عافیت اور آزادی سے زندگی بسر کرتے ہوں اور جس کے عطیات سے ممنونِ منت اور مرہون احسان ہوں اور جس کی مبارک سلطنت حقیقت میں نیکی اور ہدایت پھیلانے کے لئے کامل مددگار ہو قطعی حرام ہے تو پھر بڑے افسوس کی بات ہے کہ علماء اسلام اپنے جمہوری اتفاق سے اس مسئلہ کو اچھی طرح شائع نہ کر کے ناواقف لوگوں کی زبان اور قلم سے مورد اعتراض ہوتے رہیں جن اعتراضوں سے اُنکے دین کی سُستی پائی جائے اور اُنکی دُنیا کو ناحق ضرر پہنچے۔ سو اس عاجز کی دانست میں قرین مصلحت یہ ہے کہ انجمن اسلامیہ لاہور و کلکتہ و بمبئی وغیرہ یہ بندوبست کریں کہ چند نامی مولوی صاحبان جنکی فضیلت اور علم اور زہد اور تقویٰ اکثر لوگوں کی نظر میں مسلم الثبوت ہو اس امر کے لئے چن لئے جاویں کہ اطراف اکناف کے اہلِ علم کہ جو اپنے مسکن کے گرد نواح میں کسی قدر شہرت رکھتے ہوں اپنی اپنی عالمانہ تحریریں جن میں بر طبق شریعت حقہ سلطنت انگلشیہ سے جو مسلمانانِ ہند کی مربی و محسن ہے جہاد کرنے کی صاف ممانعت ہو ان علماء کی خدمت میں بہ ثبت مواہیر بھیج دیں کہ جو بموجب قرار داد بالا اس خدمت کے لئے منتخب کئے گئے ہیں اور جب سب خطوط جمع ہو جاویں تو یہ مجموعہ خطوط جو مکتوبات علماء ہند سے موسوم ہو سکتا ہے کسی خوشخط مطبع میں بصحت تمام چھاپا جاوے

م

اُٹھاوے اُس کے ظلِ حمایت میں بامن و آسایش رہ کر اپنا مقسوم کھاوے اس کے انعامات متواترہ سے پرورش پاوے پھر اُسی پر عقرب کی طرح نیش چلاوے اور دُعا سے بھی انھوں نے اس گورنمنٹ کو بہت دفعہ یاد کیا ہے

حاشیہ بقیہ

اور پھر دس بیس نسخے اُس کے گورنمنٹ میں اور باقی نسخہ جات متفرق مواضع پنجاب و ہندوستان خاصکر سرحدی ملکوں میں تقسیم کئے جائیں۔ یہ سچ ہے کہ بعض غمخوار مسلمانوں نے ڈاکٹر ہنٹر صاحب کے خیالات کا رد لکھا ہے مگر یہ دو چار مسلمانوں کا رد جمہوری رد کا ہرگز قائم مقام نہیں ہو سکتا۔ بلاشبہ جمہوری رد کا ایسا اثر قوی اور پُرزور ہو گا جس میں ڈاکٹر صاحب کی تمام غلط تحریریں خاک سے مل جائینگی اور بعض ناواقف مسلمان بھی اپنے سچے اور پاک اصول سے بخوبی مطلع ہو جائینگے اور گورنمنٹ انگلشیہ پر بھی صاف باطنی مسلمانوں کی اور خیر خواہی اس رعیت کی کماحقہٗ کھل جاویگی اور بعض کوہستانی جہلا کے خیالات کی اصلاح بھی بذریعہ اسی کتاب کے وعظ و نصیحت کے ہوتی رہیگی۔ بالآخر یہ بات بھی ظاہر کرنا ہم اپنے نفس پر واجب سمجھتے ہیں کہ اگرچہ تمام ہندوستان پر یہ حق واجب ہے کہ بنظر ان احسانات کے جو سلطنت انگلشیہ سے اسکی حکومت اور آرام بخش حکمت کے ذریعہ سے عامہ خلائق پر وارد ہیں سلطنت ممدوحہ کو خداوند تعالےٰ کی ایک نعمت سمجھیں اور مثل اور نعماء الٰہی کے اُس کا شکر بھی ادا کریں لیکن پنجاب کے مسلمان بڑے ناشکر گذار ہونگے اگر وہ اس سلطنت کو جو اُنکے حق میں خدا کی ایک عظیم الشان رحمت ہے نعمت عظمیٰ یقین نہ کریں انکو سوچنا چاہیے کہ اس سلطنت سے پہلے وہ کس حالت پُرملالت میں تھے اور پھر کیسے امن و امان میں آ گئے پس فی الحقیقت یہ سلطنت ان کے لئے ایک آسمانی برکت کا حکم رکھتی ہے جس کے آنے سے سب تکلیفیں اُنکی دور ہوئیں اور ہر ایک قسم کے ظلم و تعدی سے نجات حاصل ہوئی اور ہر ایک ناجائز روک اور مزاحمت سے آزادی میسر آئی کوئی ایسا مانع نہیں کہ جو ہم کو نیک کام کرنے سے روک سکے یا ہماری آسائش میں خلل ڈال سکے پس حقیقت میں خداوند کریم ورحیم نے اس سلطنت کو مسلمانوں کے لئے ایک بارانِ رحمت بھیجا ہے جس سے پودہ اسلام کا پھر اس ملک پنجاب میں سرسبز ہوتا جاتا ہے اور جس کے فوائد کا اقرار حقیقت میں خدا کے احسانوں کا اقرار ہے یہی سلطنت ہے جسکی آزادی ایسی بدیہی اور مسلم الثبوت ہے کہ بعض دوسرے ملکوں سے مظلوم مسلمان ہجرت کرکے اس ملک میں آنا بدل و جان

ان کی آخری دُعا اُنکے اشتہار مطبوعہ ریاض ہند پریس امرتسر میں جسکی بیس ہزار کاپی چھپوا کر ہند اور
انگلینڈ میں انھوں نے شائع کرنی چاہی ہے یہ کلمات دعائیہ مرقوم ہیں۔ انگریز جن کی شائستہ اور مہذب اور

بقیہ حاشیہ

پسند کرتے ہیں جس صفائی سے اس سلطنت کی ظل حمایت میں مسلمانوں کی اصلاح کے لئے
اور انکی بدعات مخلوط دُور کرنے کے لئے وعظ ہو سکتا ہے اور جن تقریبات سے علماء اسلام کو
ترویج دین کے لئے اس گورنمنٹ میں جوش پیدا ہوتے ہیں اور فکر اور نظر سے اعلیٰ درجہ کا کام پڑتا ہے
اور عمیق تحقیقاتوں سے تائید دین متین میں تالیفات ہو کر حجت اسلام مخالفین پر پوری کی جاتی ہے
وہ میری دانست میں آجکل کسی اور ملک میں ممکن نہیں۔ یہی سلطنت ہے جسکی عادلانہ حمایت سے علماء
کو مدتوں کے بعد گو یا صدہا سال کے بعد یہ موقعہ ملا کہ بے دھڑک بدعات کی آلودگیوں سے اور شرک
کی خرابیوں سے اور مخلوق پرستی کے فسادوں سے نادان لوگوں کو مطلع کریں اور اپنے رسول مقبول کا صراط
مستقیم کھولکر بتلادیں۔ کیا ایسی سلطنت کی بدخواہی جس کے زیر سایہ تمام مسلمان امن اور آزادی
سے بسر کرتے ہیں اور فرائض دین کو کما حقہ بجالاتے ہیں اور ترویج دین میں سب ملکوں سے زیادہ
مشغول ہیں جائز ہو سکتی ہے حاشا وکلا ہرگز جائز نہیں اور نہ کوئی نیک اور دیندار آدمی ایسا بدخیال
دل میں لاسکتا ہے ہم سچ سچ کہتے ہیں کہ دنیا میں آج یہی ایک سلطنت ہے جس کے سایہ
عاطفت میں بعض بعض اسلامی مقاصد ایسے حاصل ہوتے ہیں کہ جو دوسرے ممالک میں ہرگز
ممکن الحصول نہیں۔ شیعوں کے ملک میں جاؤ تو وہ سنت جماعت کے وعظوں سے افروختہ ہوتے
ہیں اور سنت جماعت کے ملکوں میں شیعہ اپنی رائے ظاہر کرنے سے خائف ہیں۔ ایسا ہی مقلدین موحدین
کے شہروں اور موحدین مقلدین کے بلاد میں دم نہیں مار سکتے۔ اور گو کسی بدعت کو اپنی آنکھ سے دیکھ
لیں مُنہ سے بات نکالنے کا موقع نہیں رکھتے آخر یہی سلطنت ہے جسکی پناہ میں ہر ایک فرقہ امن اور آرام
سے اپنی رائے ظاہر کرتا ہے اور یہ بات اہل حق کیلئے نہایت ہی مفید ہے کیونکہ جس ملک میں بات کرنیکی گنجائش ہی نہیں
نصیحت دینے کا حوصلہ ہی نہیں اُس ملک میں کیونکر راستی پھیل سکتی ہے راستی پھیلانے کے لئے وہی ملک مناسب ہے
جس میں آزادی سے اہل حق وعظ کر سکتے ہیں۔ یہ بھی سمجھنا چاہیئے کہ دینی جہادوں سے اصلی غرض آزادی کا قائم کرنا

رحم گورنمنٹ نے ہم کو اپنے احسانات اور دوستانہ معاملات سے ممنون کرکے اس بات کے لئے دلی جوش بخشا ہے کہ ہم اُن کے دین و دنیا کے لئے دلی جوش سے بہبودی اور سلامتی چاہیں تا انکے گورے و سپید

شبہ اور ظلم کا دُور کرنا تھا اور دینی جہاد انھیں ملکوں کے مقابلہ پر ہوئے تھے جن میں واعظین
تقیہ جات
کو اپنے وعظ کے وقت جان کا اندیشہ اور جن میں امن کے ساتھ وعظ ہونا قطعی محال تھا اور کوئی شخص طریقہ حقہ کو اختیار کرکے اپنی قوم کے ظلم سے محفوظ نہیں رہ سکتا لیکن سلطنت انگریزی کی آزادی نہ صرف اِن خرابیوں سے خالی ہے بلکہ اسلامی ترقی کی بدرجۂ غایت ناصر اور مؤید ہے مسلمانوں پر لازم ہے کہ اِس خداداد نعمت کی قدر کریں اور اس کے ذریعہ سے اپنی دینی ترقیات میں قدم بڑھادیں

اور حصہ چہارم کے ابتدائی اوراق میں آپ فرماتے ہیں۔ تھوڑا عرصہ گذرا ہے کہ بعض صاحبوں نے مسلمانوں میں اِس مضمون کی بابت کہ جو حصہ سیوم کے ساتھ گورنمنٹ انگریزی کے شکر کے بارے میں شامل ہے اعتراض کیا اور بعض نے خطوط بھی بھیجے اور بعض نے سخت اور درشت لفظ بھی لکھے کہ انگریزی عملداری کو دوسری عملداریوں پر کیوں ترجیح دی لیکن ظاہر ہے کہ جس سلطنت کو اپنی شائستگی اور حسن انتظام کے رو سے ترجیح ہو اس کو کیونکر چھپا سکتے ہیں خوبی باعتبار اپنی ذاتی کیفیت کے خوبی ہی ہے گو وہ کسی گورنمنٹ میں پائی جائے۔ الحکمۃ ضالۃ المومن الخ

اور یہ بھی سمجھنا چاہیئے کہ اسلام کا ہرگز یہ اصول نہیں ہے کہ مسلمانوں کی قوم جس سلطنت کے ماتحت رہ کر اُس کا احسان اٹھاوے اس کے ظل حمایت میں بامن و آسائش رہ کر اپنا رزق مقسوم کھاوے۔ اُس کے انعامات متواترہ سے پرورش پاوے پھر اسی پر عقرب کی طرح نیش چلاوے اور اُس کے سلوک اور مروت کا ایک ذرہ شکر بجا نہ لاوے بلکہ ہمارے خداوند کریم نے اپنے رسول مقبول کے ذریعہ سے ہمیں تعلیم دی ہے کہ ہم نیکی کا معاوضہ بہت زیادہ نیکی کے ساتھ کریں اور منعم کا شکر بجا لاویں اور جب کبھی ہم کو موقع ملے تو ایسی گورنمنٹ سے بدل صدق کمال ہمدردی سے پیش آویں اور بطیب خاطر معروف اور واجب طور پر اطاعت

منہ جس طرح دُنیا میں خوبصورت ہیں آخرت میں بھی نورانی و منور ہوں فضل اللہ تعالیٰ خیرھم فی الدنیا والآخرۃ۔ اللھم اھد ھم و ایدھم بروح منک واجعل لھم حظا کثیرا فی دینک الخ

پھر ایسے شخص پر یہ بہتان کہ اس کے دل میں گورنمنٹ انگلشیہ کی مخالفت ہے۔ اور اس کی کتاب کی نسبت یہ گمان کہ وہ گورنمنٹ کے مخالف ہے پرلے سرے کی بے ایمانی اور شرارت شیطانی نہیں تو کیا ہے۔ خیرخواہان سلطنت و پیروان مذہب اسلام ان یاوہ گو حاسدوں کی ایسی باتیں ہرگز نہ سنیں اور اس کتاب یا مؤلف کی طرف سے سوءظنی کو اپنے دلوں میں جگہ نہ دیں۔ گورنمنٹ سے تو ہم پہلے ہی مطمئن ہیں وہ ان باتوں کو مؤلف کی نسبت ہرگز نہ سُنے گی۔ بلکہ جو ان باتوں کو گورنمنٹ تک پہنچائے گا۔ اس کو اُس کی دروغگوئی پر سرزنش کرے گی۔

بقیہ حاشیہ اُٹھاویں۔ سوا اس عاجز نے جس قدر حصہ سوم کے پرچہ شمولہ میں انگریزی گورنمنٹ کا شکر ادا کیا ہے وہ صرف اپنے ذاتی خیال سے ادا نہیں کیا بلکہ قرآن شریف اور احادیث نبوی کی ان بزرگ تاکیدوں نے جو اس عاجز کے پیش نظر ہیں مجھ کو اس شکر ادا کرنے پر مجبور کیا ہے۔ سو ہمارے بعض نا سمجھ بھائیوں کی یہ افراط ہے جس کو وہ اپنی کوتاہ اندیشی اور بخل فطرتی سے اسلام کا جز سمجھ بیٹھے ہیں۔

اے جفاکیش نہ عذر است طریق عشاق
ہرزہ بدنام کنی چند نکو نامے را

(براہین احمدیہ)

مطبوعہ پنجاب پریس سیالکوٹ

التوائے جلسہ ۲۷ دسمبر ۱۸۹۳ء

ہم افسوس سے لکھتے ہیں کہ چند ایسے وجوہ ہم کو پیش آئے جنہوں نے ہماری رائے کو اس طرف مائل کیا کہ ابکی دفعہ اس جلسہ کو ملتوی رکھا جائے اور چونکہ بعض لوگ تعجب کرینگے کہ اس التوا کا موجب کیا ہے لہٰذا بطور اختصار کسی قدر ان وجوہ میں سے لکھا جاتا ہے اول یہ کہ اس جلسہ سے مدعا اور اصل مطلب یہ تھا کہ ہماری جماعت کے لوگ کسی طرح بار بار کی ملاقاتوں سے ایک ایسی تبدیلی اپنے اندر حاصل کر لیں کہ انکے دل آخرت کی طرف بکلی جھک جائیں اور انکے اندر خدا تعالیٰ کا خوف پیدا ہو اور وہ زہد اور تقویٰ اور خدا ترسی اور پرہیزگاری اور نرم دلی اور باہم محبت اور مواخات میں دوسروں کے لئے ایک نمونہ بنجائیں اور انکسار اور تواضع اور راستبازی ان میں پیدا ہو اور دینی مہمات کیلئے سرگرمی اختیار کریں لیکن اس پہلے جلسہ کے بعد ایسا اثر نہیں دیکھا گیا بلکہ خاص جلسہ کے دنوں میں ہی بعض کی شکایت سنی گئی کہ وہ اپنے بعض بھائیوں کی بدخوئی سے شاکی ہیں اور بعض اس مجمع کثیر میں اپنے اپنے آرام کے لئے دوسرے لوگوں سے کج خلقی ظاہر کرتے ہیں گویا وہ مجمع ہی انکے لئے موجب ابتلا ہوگیا۔ اور پھر میں دیکھتا ہوں کہ جلسہ کے بعد کوئی بہت عمدہ اور نیک اثر اب تک اس جماعت کے بعض لوگوں میں ظاہر نہیں ہوا اور اس تجربہ کے لئے یہ تقریب پیش آئی کہ ان دنوں سے آجتک ایک جماعت کثیر مہمانوں کی اس عاجز کے پاس بطور تبادل رہتی ہے یعنی بعض آتے اور بعض جاتے اور بعض وقت یہ جماعت سو سو مہمان تک بھی پہنچ گئی ہے اور بعض وقت اس سے کم۔ لیکن اس اجتماع میں بعض دفعہ بباعث تنگی مکانات اور قلت وسائل مہمانداری ایسے نالائق رنجش اور خود غرضی کی سخت گفتگو بعض مہمانوں میں باہم ہوتی دیکھی ہے کہ جیسے ریل میں بیٹھنے والے تنگی مکان کی وجہ سے ایک دوسرے سے لڑتے ہیں اور اگر کوئی بیچارہ عین ریل چلنے کے قریب اپنی گٹھڑی کے سمیت مارے اندیشہ کے دوڑتا دوڑتا ان کے پاس پہنچ جائے تو اس کو دھکے دیتے اور دروازہ بند کر لیتے ہیں کہ ہم میں جگہ نہیں حالانکہ گنجائش نکل سکتی ہے مگر سخت دلی ظاہر کرتے ہیں اور وہ غریب لٹے اور بقچہ اٹھائے اِدھر اُدھر پھرتا ہے اور کوئی اسپر رحم نہیں کرتا مگر آخر ریل کے ملازم جبراً اس کو جگہ دلاتے ہیں۔ سو ایسا ہی یہ اجتماع بھی بعض اخلاقی حالتوں کے بگاڑنے کا ایک ذریعہ معلوم ہوتا ہے اور جب تک مہمانداری کے پورے وسائل میسر نہ ہوں اور جب تک خدا تعالیٰ ہماری جماعت میں اپنے خاص فضل سے کچھ مادہ رفق اور نرمی اور ہمدردی اور خدمت اور جفاکشی کا پیدا نہ کرے تب تک یہ جلسہ قرین مصلحت معلوم نہیں ہوتا حالانکہ دل تو یہی چاہتا ہے کہ مبائعین محض للہ سفر کر کے آویں اور میری صحبت میں رہیں اور کچھ تبدیلی پیدا کر کے جائیں کیونکہ موت کا اعتبار نہیں میرے دیکھنے میں مبائعین کو فائدہ ہے مگر مجھے حقیقی طور پر وہی دیکھتا ہے جو صبر کے ساتھ دین کو تلاش کرتا ہے اور فقط دین کو چاہتا ہے سو ایسے پاک نیت لوگوں کا آنا ہمیشہ بہتر ہے کسی جلسہ پر موقوف نہیں بلکہ دوسرے وقتوں میں وہ فرصت اور فراغت سے باتیں کر سکتے ہیں اور یہ جلسہ ایسا تو نہیں ہے کہ دنیا کے میلوں کیطرح خواہ نخواہ التزام اس کا لازم ہے بلکہ اس کا انعقاد صحت نیت

پر موقوف ہے ورنہ بغیر اس کے ہیچ۔ اور جب تک یہ معلوم نہ ہو اور تجربہ شہادت نہ دے کہ اس جلسہ سے دینی فائدہ یہ ہے اور لوگوں
کے چال چلن اور اخلاق پر اس کا یہ اثر ہے تب تک ایسا جلسہ صرف فضول ہی نہیں بلکہ اس علم کے بعد کہ اس اجتماع سے نتائج
نیک پیدا نہیں ہوتے ایک معصیت اور طریق ضلالت اور بدعت شنیعہ ہے۔ میں ہرگز نہیں چاہتا کہ حال کے بعض پیرزادوں کی طرح صرف ظاہری
شوکت دکھانے کے لئے اپنے مبایعین کو اکٹھا کروں بلکہ وہ علت غائی جس کے لئے میں حیلہ نکالتا ہوں اصلاح خلق اللہ ہے پھر اگر کوئی امر یا انتظام
موجب اصلاح نہ ہو بلکہ موجب فساد ہو تو مخلوق میں سے میرے جیسا اس کا کوئی دشمن نہیں اور اخویم مکرم حضرت مولوی نور الدین صاحب سلمہ تعالیٰ نے
بارہا مجھ سے یہ تذکرہ کر چکے ہیں کہ ہماری جماعت کے اکثر لوگوں نے اب تک کوئی خاص اہلیت اور تہذیب اور پاک دلی اور پرہیزگاری
اور للہی محبت باہم پیدا نہیں کی سو میں دیکھتا ہوں کہ مولوی صاحب موصوف کا یہ مقولہ بالکل صحیح ہے مجھے معلوم ہوا ہے کہ بعض حضرات
جماعت میں داخل ہو کر اس عاجز سے بیعت کر کے اور عہد توبہ نصوح کر کے پھر بھی ویسے کج دل ہیں کہ اپنی جماعت کے غریبوں کو بھیڑیوں
کی طرح دیکھتے ہیں وہ مارے تکبر کے سیدھے منہ سے السلام علیک نہیں کر سکتے چہ جائیکہ خوش خلقی اور ہمدردی سے پیش آویں اور
انہیں سفلہ اور خود غرض اس قدر دیکھتا ہوں کہ وہ ادنیٰ ادنیٰ خود غرضی کی بنا پر لڑتے اور ایک دوسرے سے دست بدامن
ہوتے ہیں اور ناکارہ باتوں کی وجہ سے ایک دوسرے پر حملہ ہوتا ہے بلکہ بسا اوقات گالیوں تک نوبت پہنچتی ہے اور دلوں میں کینے پیدا
کر لیتے ہیں اور کھانے پینے کی قسموں پر نفسانی بحثیں ہوتی ہیں اور اگرچہ نجیب اور سعید بھی ہماری جماعت میں بہت بلکہ یقیناً دو سو سے
زیادہ ہی ہیں جن پر خدا تعالیٰ کا فضل ہے جو نصیحتوں کو سن کر روتے اور عاقبت کو مقدم رکھتے ہیں اور ان کے دلوں پر نصیحتوں
کا عجیب اثر ہوتا ہے لیکن میں اس وقت کج دل لوگوں کا ذکر کرتا ہوں اور میں حیران ہوتا ہوں کہ خدایا یہ کیا حال ہے یہ کونسی جماعت
ہے جو میرے ساتھ ہے نفسانی لالچوں پر کیوں ان کے دل گرے جاتے ہیں۔ اور کیوں ایک بھائی دوسرے بھائی کو ستاتا اور اس سے بلندی
چاہتا ہے میں سچ سچ کہتا ہوں کہ انسان کا ایمان ہرگز درست نہیں ہو سکتا جب تک اپنے آرام پر اپنے بھائی کا آرام حتی الوسع
مقدم نہ ٹھہراوے۔ اگر میرا ایک بھائی میرے سامنے باوجود اپنے ضعف اور بیماری کے زمین پر سوتا ہے اور میں باوجود
اپنی صحت اور تندرستی کے چارپائی پر قبضہ کرتا ہوں تا وہ اس پر بیٹھ نہ جاوے تو میری حالت پر افسوس ہے اگر میں نہ اٹھوں اور
محبت اور ہمدردی کی راہ سے اپنی چارپائی اس کو نہ دوں اور اپنے لئے فرش زمین پسند نہ کروں۔ اگر میرا بھائی بیمار ہے اور
کسی درد سے لاچار ہے تو میری حالت پر حیف ہے اگر میں اس کے مقابل پر امن سے سو رہوں۔ اور اس کے لئے جہاں تک
میرے بس میں ہے آرام رسانی کی تدبیر نہ کروں۔ اور اگر کوئی میرا دینی بھائی اپنی نفسانیت سے مجھ سے کچھ سخت گوئی
کرے تو میری حالت پر حیف ہے اگر میں بھی دیدہ و دانستہ اس سے سختی سے پیش آؤں بلکہ مجھے چاہئے کہ میں اس کی باتوں
پر صبر کروں اور اپنی نمازوں میں اس کے لئے رو رو کر دعا کروں کیونکہ وہ میرا بھائی ہے اور روحانی طور پر بیمار ہے۔ اگر میرا بھائی
سادہ ہو یا کم علم یا سادگی سے کوئی خطا اس سے سرزد ہو تو مجھے نہیں چاہئے کہ میں اس سے ٹھٹھا کروں یا چیں برجبیں ہو کر تیزی دکھاؤں یا بدنیتی سے
اس کی عیب گیری کروں کہ یہ سب ہلاکت کی راہیں ہیں۔ کوئی سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کا دل نرم نہ ہو جب تک وہ اپنے تئیں ہر ایک سے ذلیل تر نہ سمجھے
اور ساری مشیختیں دور نہ ہو جائیں۔ خادم القوم ہونا مخدوم بننے کی نشانی ہے اور غریبوں سے نرم ہو کر اور جھک کر

بابت کرنا مقبول الٰہی ہونے کی علامت ہے اور بدی کا نیکی کے ساتھ جواب دینا سعادت کے آثار ہیں اور غصہ کو کھا لینا اور تلخ بات کو پی جانا نہایت درجہ کی جوانمردی ہے مگر میں دیکھتا ہوں کہ یہ باتیں ہماری جماعت کے بعض لوگوں میں نہیں بلکہ بعض میں ایسی بے تہذیبی ہے کہ اگر ایک بھائی ضد سے اسکی چارپائی پر بیٹھا ہے تو وہ سختی سے اُس کو اُٹھانا چاہتا ہے اور اگر نہیں اُٹھتا تو چارپائی کو اُلٹا دیتا ہے اور اُس کو نیچے گراتا ہے٭ پھر دوسرا بھی فرق نہیں کرتا اور وہ اسکو گندی گالیاں دیتا ہے اور تمام بخارات نکالتا ہے یہ حالات ہیں جو اس مجمع میں مشاہدہ کرتا ہوں تب دل کباب ہوتا اور جلتا ہے اور بے اختیار دل میں یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ اگر میں درندوں میں رہوں تو ان بنی آدم سے اچھا ہے پھر میں کس خوشی کی امید سے لوگوں کو اپنے لئے اکٹھے کروں یہ دنیا کے تماشوں میں سے کوئی تماشا نہیں ابھی تک میں جانتا ہوں کہ میں اکیلا ہوں بجز ایک مختصر گروہ رفیقوں کے جو دو سو سے کسی قدر زیادہ ہیں جن پر خدا کی خاص رحمت ہے جنمیں سے اول درجہ پر میرے خالص دوست اور محب مولوی حکیم نورالدین صاحب اور چند اور دوست ہیں جن کو میں جانتا ہوں کہ وہ صرف خدا تعالیٰ کیلئے میرے ساتھ تعلق محبت رکھتے ہیں اور میری باتوں اور نصیحتوں کو تعظیم کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اُنکی آخرت پر نظر ہے سو وہ انشاء اللہ دونو جہانوں میں میرے ساتھ ہیں اور میں اُنکے ساتھ ہوں میں اپنے ساتھ اُن لوگوں کو کیا سمجھوں جن کے دل میرے ساتھ نہیں جو اس کو بیدردی سے جسکو میں نے پہچانا ہے اور نہ اسکی عظمت اپنے دلوں میں بٹھاتے ہیں اور ٹھٹھوں اور بیرا ہیوں کے وقت خیال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں دیکھتا ہے اور کبھی نہیں سوچتے کہ ہم ایک نہر کھا رہے ہیں جس کا بالضرور نتیجہ موت ہے۔ درحقیقت وہ ایسے ہیں جنکو شیطانی راہیں چھوڑنا منظور ہی نہیں۔ اُسے کہ جو میری راہ پر چلنا نہیں چاہتا وہ مجھ میں سے نہیں اور اپنے دعوی میں جھوٹا ہے اور جو میرے مذہب کو قبول کرنا نہیں چاہتا بلکہ اپنا مذہب پسندیدہ سمجھتا ہے وہ مجھ سے ایسا دور ہے جیسا کہ مغرب مشرق سے وہ خطا پر ہے کہ سمجھتا ہے کہ میں اس کے ساتھ ہوں میں بار بار کہتا ہوں کہ آنکھوں کو پاک کرو اور انکو روحانیت کے طور سے ایسا ہی روشن کرو جیسا کہ وہ ظاہری طور پر روشن ہیں ظاہری رویت تو حیوانات میں بھی موجود ہے مگر انسان اُس وقت سوجاکھا کہلا سکتا ہے جبکہ باطنی رویت یعنی نیک و بد کی شناخت کا اس کو حصہ ملے۔ اور پھر نیکی کی طرف جھک جاوے سو تم اپنی آنکھوں کے لئے نہ صرف چارپایوں کی بینائی بلکہ حقیقی بینائی ڈھونڈو اور اپنے دلوں سے دنیا کے بُت باہر پھینکو کہ دنیا دین کی مخالف ہے جلد مرو گے اور دیکھو گے کہ نجات انہیں کو ہے جو دنیا کے جذبات سے بیزار اور بری اور صاف دل تقویٰ میں کہتے کہتے ان باتوں کو تھک گیا کہ اگر تمہاری یہی حالتیں ہیں تو پھر تم میں اور غیروں میں فرق ہی کیا ہے لیکن یہ دل کچھ ایسے ہیں کہ توجہ نہیں کرتے اور ان آنکھوں سے مجھے بینائی کی توقع نہیں لیکن خدا اگر چاہے اور میں تو ایسے لوگوں سے اس دنیا اور آخرت میں بیزار ہوں۔ اگر میں صرف اکیلا کسی جنگل میں ہوتا تو میرے لئے ایسے لوگوں کی رفاقت سے بہتر تھا جو خدا تعالیٰ کے احکام کو عظمت سے نہیں دیکھتے اور اس کے جلال اور عزت سے نہیں کانپتے اگر انسان بغیر حقیقی راستبازی کے صرف منہ سے کہے کہ میں مسلمان ہوں یا اگر ایک بھوکا صرف زبان پر روٹی کا نام لاوے تو کیا فائدہ۔ اس طریق سے نہ وہ نجات پائیگا اور نہ وہ سیر ہوگا۔ کیا خدا تعالیٰ دلوں کو نہیں دیکھتا کیا اس علیم و حکیم کی گہری نگاہ انسان کی طبیعت کے پاتال تک نہیں پہنچتی پس اے نادانو خوب سمجھ لو اے غافلو خوب سوچ لو کہ بغیر سچی پاکیزگی ایمانی اور اخلاقی اور اعمالی کے کسی طرح رہائی نہیں

٭ یہ باتیں ہماری طرف سے اپنی عزیز جماعت کیلئے بطور نصیحت ہیں دشمن کو جائز نہیں کہ کسی کا نام لیکر ان کا تذکرہ کرے ورنہ وہ سب سے بڑھ کر گناہ اور فتنہ کی راہ اختیار کرے گا۔ منہ

جو شخص ہر طرح سے گندہ رہ کر پھر اپنے تئیں مسلمان سمجھتا ہے وہ خدا تعالیٰ کو نہیں بلکہ وہ اپنے تئیں دھوکا دیتا ہے اور مجھے ان
لوگوں سے کیا کام جو سچے دل سے دینی احکام اپنے سر پر نہیں اُٹھا لیتے اور رسول کریم کے پاک جُوئے کے نیچے صدق دل سے اپنی گردنیں نہیں
دیتے اور راستبازی کو اختیار نہیں کرتے اور فاسقانہ عادتوں سے بیزار ہونا نہیں چاہتے اور ٹھٹھے کی مجالس کو نہیں چھوڑتے
اور ناپاکی کے خیالوں کو ترک نہیں کرتے اور انسانیت اور تہذیب اور صبر اور نرمی کا جامہ نہیں پہنتے بلکہ غریبوں کو ستاتے
اور عاجزوں کو دھکے دیتے اور اکڑ کر بازاروں میں چلتے اور تکبر سے کرسیوں پر بیٹھتے ہیں اور اپنے تئیں بڑا سمجھتے ہیں اور
کوئی بڑا نہیں مگر وہی جو اپنے تئیں چھوٹا خیال کرے مبارک ہیں وہ لوگ جو اپنے تئیں سب سے زیادہ ذلیل اور چھوٹا سمجھتے ہیں
اور شرم سے بات کرتے ہیں اور غریبوں اور مسکینوں کی عزت کرتے اور عاجزوں کو تعظیم سے پیش آتے ہیں اور کبھی شرارت اور تکبر کی
وجہ سے ٹھٹھا نہیں کرتے اور اپنے رب کریم کو یاد رکھتے ہیں اور زمین پر غریبی سے چلتے ہیں سو میں بار بار کہتا ہوں کہ ایسے ہی لوگ ہیں
جن کے لئے نجات طیار کی گئی ہے جو شخص شرارت اور تکبر اور خود پسندی اور غرور اور دُنیا پرستی اور لالچ اور بدکاری کی دوزخ
سے اسی جہان میں باہر نہیں وہ اُس جہان میں کبھی باہر نہیں ہوگا میں کیا کروں اور کہاں سے ایسے الفاظ لاؤں جو اس گروہ
کے دلوں پر کارگر ہوں۔ خدایا مجھے ایسے لفظ عطا فرما۔ اور ایسی تقریریں القا کر جو ان دلوں پر اپنا نور ڈالیں اور اپنی
تریاقی خاصیت سے اُن کی زہر کو دُور کر دیں۔ میری جان اس شوق سے تڑپ رہی ہے کہ کبھی وہ بھی دن ہو کہ اپنی جماعت
میں بکثرت ایسے لوگ دیکھوں جنہوں نے درحقیقت جھوٹ چھوڑ دیا۔ اور ایک سچا عہد اپنے خدا سے کر لیا کہ وہ ہر ایک شر سے
اپنے تئیں بچائینگے اور تکبر سے جو تمام شرارتوں کی جڑ ہے بالکل دُور جا پڑیں گے اور اپنے رب سے ڈرتے رہیں گے مگر ابھی
تک بجز خاص چند آدمیوں کے ایسی شکلیں مجھے نظر نہیں آتیں۔ ہاں نماز پڑھتے ہیں مگر نہیں جانتے کہ نماز کیا شے ہے جب تک
دل فروتنی کا سجدہ نہ کرے۔ صرف ظاہری سجدوں پر امید رکھنا طمع خام ہے جیسا کہ قربانیوں کا خون اور گوشت خدا تک
نہیں پہنچتا صرف تقویٰ پہنچتی ہے ایسا ہی جسمانی رکوع و سجود بھی ہیچ ہے جب تک دل کا رکوع و سجود و قیام نہ ہو دل
کا قیام یہ ہے کہ اُس کے حکموں پر قائم ہو اور رکوع یہ کہ اُسکی طرف جُھکے اور سجود یہ کہ اس کے لئے اپنے وجود سے دستبردار
ہو۔ سو افسوس ہزار افسوس کہ ان باتوں کا کچھ بھی اثر میں نہیں دیکھتا مگر دُعا کرتا ہوں اور جب تک مجھ میں دم زندگی
ہے کئے جاؤں گا۔ اور دُعا یہی ہے کہ خدا تعالیٰ میری اس جماعت کے دلوں کو پاک کرے اور اپنی رحمت کا ہاتھ لمبا کر کے
ان کے دل اپنی طرف پھیرے اور تمام شرارتیں اور کینے انکے دلوں سے اُٹھاوے اور باہمی سچی محبت عطا کر دے اور میں یقین
رکھتا ہوں کہ یہ دُعا کسی وقت قبول ہوگی اور خدا میری دُعاؤں کو ضائع نہیں کرے گا ہاں میں یہ بھی دُعا کرتا ہوں کہ اگر
کوئی شخص میری جماعت میں خدا تعالیٰ کے علم اور ارادہ میں بدبخت ازلی ہے جس کے لئے یہ مقدر ہی نہیں کہ سچی پاکیزگی اور خدا
ترسی اس کو حاصل ہو تو اس کو اے قادر خدا میری طرف سے بھی منحرف کر دے جیسا کہ وہ تیری طرف سے منحرف ہے اور اُس کی جگہ کوئی اور لا
جس کا دل نرم اور جس کی جان میں تیری طلب ہو۔ اب میری یہ حالت ہے کہ بیعت کرنیوالے سے میں ایسا ڈرتا ہوں کہ جیسا کوئی شیر سے

اسی وجہ سے کہ میں نہیں چاہتا کہ کوئی دنیا کا کیڑا رہ کر بے ساختہ پیوند کرے پس التوائے جلسہ کا ایک یہ سبب ہے جو پہلے بیان کیا۔

دوسرے یہ کہ ابھی ہمارے سامان نہایت ناتمام ہیں اور صادق جان فشان بہت کم۔ اور بہت سے کام ہمارے اشاعت کتب کے متعلق قلت مخلصوں کے سبب سے باقی پڑے ہیں پھر ایسی صورت میں جلسہ کا اتنا بڑا اہتمام جو صدہا آدمی خاص اور عام کئی دن آکر قیام پذیر رہیں اور جلسہ سابقہ کی طرح بعض دور دراز کے غریب مسافروں کو اپنی طرف سے زادراہ دیا جاوے اور کما حقہ کئی روز صدہا آدمیوں کی مہمانداری کی جاوے۔ اور دوسرے لوازم چارپائی وغیرہ کا صدہا لوگوں کے لئے بندوبست کیا جائے۔ اور انکے فروکش ہونے کے لئے کافی مکانات بنائے جائیں اتنی توفیق ابھی ہم میں نہیں اور نہ ہمارے مخلص دوستوں میں۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ ان تمام سامانوں کو درست کرنا ہزارہا روپیہ کا خرچ چاہتا ہے اور اگر قرضہ وغیرہ پر اس کا انتظام بھی کیا جائے تو بڑے سخت گناہ کی بات ہے کہ جو ضروریات دین پیش آرہی ہیں وہ تو نظر انداز رہیں اور ایسے اخراجات جو کسی کو یاد بھی نہیں ہیں اپنے ذمہ ڈال کر ایک رقم کثیر قرضہ کی خواہ نخواہ اپنے نفس پر ڈال لی جائے ابھی باوجود نہ ہونے کسی جلسہ کے مہمانداری کا سلسلہ ایسا ترقی پر ہے کہ ایک برس سے یہ حالت ہو رہی ہے کہ کبھی تیس تیس چالیس چالیس اور کبھی سو تک مہمانوں کی موجودہ میزان کی ہر روزہ نوبت پہنچ جاتی ہے جن میں اکثر ایسے غرباء فقراء دور دراز ملکوں کے ہوتے ہیں جو جاتے وقت ان کو زادراہ دیکر رخصت کرنا پڑتا ہے۔ برابر یہ سلسلہ ہر روز لگا ہوا ہے اور اس کے اہتمام میں اخویم مولوی حکیم نورالدین صاحب دل و جان کوشش کر رہے ہیں اکثر دور کے مسافروں کو اپنے پاس سے زادراہ دیتے ہیں۔ چنانچہ بعض کو قریب قریب تیس یا چالیس چالیس روپیہ کے دینے کا اتفاق ہوا ہے اور دو دو چار چار تو معمول ہے اور نہ صرف یہی اخراجات بلکہ مہمانداری کے اخراجات کے متعلق قریب تین چار سو روپیہ کے انہوں نے اپنی ذاتی جوانمردی اور کریم النفسی سے علاوہ امدادات سابقہ کے ان ایام میں دیئے ہیں اور نیز طبع کتب کے اکثر اخراجات انہوں نے اپنے ذمہ کر لئے کیونکہ کتابوں کی طبع کا سلسلہ بھی برابر جاری ہے گو بوجہ ایسے لابدی مصارف کے اپنے مطبع کا اب تک انتظام نہیں ہو سکا لیکن مولوی صاحب موصوف ان خدمات میں بدل و جان مصروف ہیں اور بعض دوسرے دوست بھی اپنی ہمت اور استطاعت کے موافق خدمت میں لگے ہوئے ہیں مگر پھر بھی اب تک اس قدر مصارف کا تحمل نہایت محدود آمدن سے ممکن ہے۔ غرض ان وجوہ کے باعث سے اس سال التوائے جلسہ مناسب سمجھتا ہوں آگے اللہ جلشانہ کا جیسا ارادہ ہو کیونکہ اس کا ارادہ انسان ضعیف کے ارادہ پر غالب ہے مجھے معلوم نہیں کہ کیا ہونے والا ہے اور میں نہیں جانتا کہ خدا تعالیٰ کا منشا میری اس تحریر کے موافق ہے یا اس کی تقدیر میں وہ امر ہے جو اب تک مجھے معلوم نہیں۔ وافوض امری الی اللہ و اتوکل علیہ ھو مولنا نعم المولیٰ و نعم النصیر۔

خاکسار غلام احمد از قادیان

از اثر بندہ رحمت علی ز مقام برناوہ

اے ذاتِ تو کانِ گوہرِ علم

وز خامہ کشادہ درِ علم

تو نافہ گشائے پردۂ راز

اے صدر نشین و سرورِ علم

ایمان ز تو جیفہ جیفہ ابرو

تو اوّلِ حرفِ آخرِ علم

اکنوں تو کلاہ ناز برگن

کو بود نہاں بدفترِ علم

آں وعدہ کہ عالمِ زمانہ

گو نیست مرا بصائرِ علم

در دست پئی گلوئی دجّال

دارند حجابِ اکبرِ علم

بر من نظرے ز چشمِ رحمت

تو ساقیِ آبِ کوثرِ علم

دانی تو بہائے جوہرِ علم

علمست بذاتِ رُوح پرور

تو نشرِ شمیمِ عنبرِ علم

تو نورِ چراغِ دینِ احمد

تو غازۂ روئے دلبرِ علم

بر تست رہِ ہُدیٰ نمودن

اے تاجِ مزیّنِ سرِ علم

فرخندہ بماں کہ تازہ کردی

گردست بہا ز داورِ علم

تو مہدیٔ و ہادیٔ زمانے

داری تو کشیدہ خنجرِ علم

آنرا کہ ہدایتِ ازل ہست

اے روئے تو نیک منظرِ علم

لِلّٰہ تو مکن ز من دریغے

از علمِ دلِ تو گنج بر گنج

تو آمدی رُوح پرورِ علم

در دیدہ نشین تو مردم آسا

تو شمعِ منارہ و منبرِ علم

تو منظرِ آخرین منہم

امروز توئی چو رہبرِ علم

دادی خبرِ وفاتِ عیسیٰ

زیبندہ لباس در برِ علم

بینم بہ رخت نشانِ موعود

تو عیسیٰ و خوش پیمبرِ علم

بر رو ہمہ عالماں صورت

آرند کشاں کشاں بہ علم

من تشنہ لب فتادہ در رہ

نورے ز مہ منوّرِ علم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ و السلام علی عبادہ الذین اصطفٰی

مسیح موعود

ایک صاحب عطا محمد نام اپنے خط مطبوعہ اگست ۱۸۹۳ء میں مجھ سے دریافت کرتے ہیں کہ اس بات پر کیا دلیل ہے کہ آپ مسیح موعود ہیں یا کسی مسیح کا ہم کو انتظار کرنا واجب ولازم ہے۔

اس جگہ سب سے پہلے یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ صاحب معترض کا یہ مذہب ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام درحقیقت فوت ہوگئے ہیں جیسا کہ قرآن شریف میں بتصریح موجود ہے لیکن وہ اس بات سے منکر ہیں کہ عیسٰی کے نام پر کوئی اس اُمت میں آنیوالا ہے وہ مانتے ہیں کہ احادیث میں یہ پیشگوئی موجود ہے مگر احادیث کے بیان کو وہ پایۂ اعتبار سے ساقط سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ احادیث زمانہ دراز کے بعد جمع کی گئی ہیں اور اکثر مجموعہ احاد ہے مفید الیقین نہیں ہیں اس لئے وہ مسیح موعود کی خبر کو جو احادیث کی رُو سے ثابت ہے حقیقت مثبتہ خیال نہیں کرتے اور ایسے اخبار کو جو محض حدیث کی رُو سے بیان کئے جائیں ہیچ اور لغو خیال کرتے ہیں جن کا انکی نظر میں کوئی بھی قابل قدر ثبوت نہیں اس لئے اس مقام میں اُنکے مذاق پر جواب دینا ضروری ہے سو واضح ہو کہ اس مسئلہ میں دراصل تنقیح طلب تین امر ہیں۔

اوّل یہ کہ مسیح موعود کے آنے کی خبر جو حدیثوں میں پائی جاتی ہے کیا یہ اس وجہ سے ناقابل اعتبار ہے کہ حدیثوں کا بیان مرتبہ یقین سے دُور و مہجور ہے۔

دوسرے۔ یہ کہ کیا قرآن کریم میں اس پیشگوئی کے بارے میں کچھ ذکر ہے یا نہیں۔

تیسرے۔ یہ کہ اگر یہ پیشگوئی ایک ثابت شدہ حقیقت ہی تو اسبات کا کیا ثبوت کہ اس کا مصداق یہی عاجز ہے

سوال اوّل ہم ان ہر سہ تنقیحوں میں سے پہلی تنقیح کو بیان کرتے ہیں سو واضح ہو کہ اِس امر سے دُنیا میں کسی کو بھی انکار نہیں کہ احادیث میں مسیح موعود کی کھُلی کھُلی پیشگوئی موجود ہے بلکہ قریباً تمام مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ احادیث کی رُو سے ضرور ایک شخص آنیوالا ہے جس کا نام عیسیٰ بن مریم ہوگا۔ اور یہ پیشگوئی بخاری اور مسلم اور ترمذی وغیرہ کتب حدیث میں اس کثرت سے پائی جاتی ہے جو ایک منصف مزاج کی تسلّی کے لئے کافی ہے اور بالضرورت اس قدر مشترک پر ایمان لانا پڑتا ہے کہ ایک مسیح موعود آنے والا ہے۔ اگرچہ یہ سچ ہے کہ اکثر ہر یک حدیث اپنی ذات میں مرتبہ احاد سے زیادہ نہیں مگر اس میں کچھ بھی کلام نہیں کہ جس قدر طرق متفرقہ کی رُو سے احادیث نبویہ اس بارے میں مدوّن ہو چکی ہیں اُن سب کو یکجائی نظر کے ساتھ دیکھنے سے بلاشبہ اس قدر قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ ضرور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیح موعود کے آنے کی خبر دی ہے اور پھر جب ہم ان احادیث کے ساتھ جو اہلسنّت وجماعت کے ہاتھ میں ہیں ان احادیث کو بھی ملاتے ہیں جو دوسرے فرقے اسلام کے مثلاً شیعہ وغیرہ ان پر بھروسہ رکھتے ہیں تو اور بھی اس تواتر کی قوت اور طاقت ثابت ہوتی ہے اور پھر اس کے ساتھ جب صدہا کتابیں متصوفین کی دیکھی جاتی ہیں تو وہ بھی اسی کی شہادت دے رہی ہیں پھر بعد اس کے جب ہم بیرونی طور پر اہل کتاب یعنی نصاریٰ کی کتابیں دیکھتے ہیں تو یہ خبر اُن سے بھی ملتی ہے اور ساتھ ہی حضرت مسیح کے اس فیصلہ سے جو ایلیا کے آسمان سے نازل ہونے کے بارہ میں ہے یہ بھی انجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کی خبریں کبھی حقیقت پر محمول نہیں ہوتیں لیکن یہ خبر مسیح موعود کے آنے کی اس قدر زور کے ساتھ ہر ایک زمانہ میں پھیلی ہوئی معلوم ہوتی ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی جہالت نہیں ہوگی کہ اس کی تواتر سے انکار کیا جائے۔ مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ اگر اسلام کی وہ کتابیں جنکی رُو سے یہ خبر سلسلہ وار شائع ہوتی چلی آئی ہے صدی وار مرتب کر کے اکٹھی کی جائیں تو ایسی کتابیں ہزارہا سے کچھ کم نہیں ہونگی۔ ہاں یہ بات اُس شخص کو سمجھانا مشکل ہے کہ جو اسلامی کتابوں سے بالکل بے خبر ہے اور درحقیقت ایسے اعتراض کرنیوالے اپنی بدقسمتی کی وجہ سے کچھ ایسے بے خبر ہوتے ہیں کہ انہیں

یہ بصیرت حاصل ہی نہیں ہوتی کہ فلاں واقعہ کس قدر قوت اور مضبوطی کے ساتھ اپنا ثبوت رکھتا ہے پس ایسا ہی صاحب معترض نے کسی سے سُن لیا ہے کہ احادیث اکثر احاد کے مرتبہ پر ہیں اور اس سے بلا توقف یہ نتیجہ پیدا کیا کہ بجز قرآن کریم کے اور جس قدر مسلمات اسلام ہیں وہ سب کے سب بے بُنیاد شکوک ہیں جن کو یقین اور قطعیت میں سے کچھ حصہ نہیں لیکن درحقیقت یہ ایک بڑا بھاری دھوکہ ہے جس کا پہلا اثر دین اور ایمان کا تباہ ہونا ہے کیونکہ اگر یہی بات سچ ہے کہ اہل اسلام کے پاس بجز قرآن کریم کے جس قدر اور منقولات ہیں وہ تمام ذخیرہ کذب اور جھوٹ اور افترار اور ظنون اور اوہام کا ہے تو پھر شاید اسلام میں سے کچھ تھوڑا ہی حصہ باقی رہ جائے گا۔ وجہ یہ کہ ہمیں اپنے دین کی تمام تفصیلات احادیث نبویہ کے ذریعہ سے ملی ہیں۔ مثلاً یہ نماز جو پنجوقت ہم پڑھتے ہیں گو قرآن مجید سے اسکی فرضیت ثابت ہوتی ہے۔ مگر یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ صبح کی دو رکعت فرض اور دو رکعت سنت ہیں اور پھر ظہر کی چار رکعت فرض اور چار اور دو سنت اور مغرب کی تین رکعت فرض اور پھر عشا کی چار۔ ایسا ہی زکوٰۃ کی تفاصیل معلوم کرنے کے لیئے ہم بالکل احادیث کے محتاج ہیں۔ اسی طرح ہزارہا جزئیات ہیں جو عبادات اور معاملات اور عقود وغیرہ کے متعلق ہیں اور ایسی مشہور ہیں کہ ان کا لکھنا صرف وقت ضائع کرنا اور بات کو طول دینا ہے علاوہ اس کے اسلامی تاریخ کا مبدء اور منبع بھی احادیث ہی ہیں اگر احادیث کے بیان پر بھروسہ نہ کیا جائے تو پھر ہمیں اس بات کو بھی یقینی طور پر نہیں ماننا چاہیئے کہ درحقیقت حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب تھے جن کو بعد وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی ترتیب سے خلافت ملی اور اسی ترتیب سے ان کی موت بھی ہوئی کیونکہ اگر احادیث کے بیان پر اعتبار نہ کیا جاوے تو کوئی وجہ نہیں کہ ان بزرگوں کے وجود کو یقینی کہہ سکیں اور اس صورت میں ممکن ہوگا کہ تمام نام فرضی ہوں اور دراصل نہ کوئی ابوبکر گذرا ہو نہ عمر نہ عثمان نہ علی کیونکہ بقول میاں عطار محمد معترض یہ سب احادیث احاد ہیں اور قرآن میں ان ناموں کا کہیں ذکر نہیں پھر بموجب اس اصول کے کیونکر تسلیم کی جائیں۔ ایسا ہی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم

کے والد کا نام عبداللہ اور والدہ کا نام آمنہ اور دادا کا نام عبدالمطلب ہونا اور پھر آنحضرت صلعم کی بیویوں میں سے ایک کا خدیجہ اور ایک کا نام عائشہ اور ایک کا نام حفصہ رضی اللہ عنہن ہونا۔ اور دایہ کا نام حلیمہؓ ہونا۔ اور غارِ حرا میں جاکر آنحضرتؐ کا عبادت کرنا اور بعض صحابہ کا حبشہ کی طرف ہجرت کرنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بعد بعثت دس سال تک مکہ میں رہنا۔ اور پھر وہ تمام لڑائیاں ہونا جن کا قرآن کریم میں نام ونشاں نہیں۔ اور صرف احادیث سے یہ تمام امور ثابت ہوتے ہیں تو کیا ان تمام واقعات سے اس بناء پر انکار کر دیا جاوے کہ احادیث کچھ چیز نہیں۔ اگر یہ سچ ہے تو پھر مسلمانوں کے لئے ممکن نہ ہو گا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاک سوانح میں سے کچھ بھی بیان کر سکیں۔ دیکھنا چاہیئے کہ ہمارے مولیٰ و آقا کی سوانح کا وہ سلسلہ کہ کیونکر قبل از بعثت مکہ میں زندگی بسر کی اور پھر کس سال دعوت نبوۃ کی۔ اور کس ترتیب سے لوگ داخلِ اسلام ہوئے اور کفار نے مکہ کے دس سال میں کس کس قسم کی تکلیفیں پہنچائیں اور پھر کیونکر اور کس وجہ سے لڑائیاں شروع ہوئیں اور کس قدر لڑائیوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفس نفیس حاضر ہوئے اور آنجنابؐ کے زمانہ زندگی تک کن کن ممالک تک حکومتِ اسلام پھیل چکی تھی اور شاہانِ وقت کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت اسلام کے خط لکھے تھے یا نہیں اور اگر لکھے تھے تو ان کا کیا نتیجہ ہوا تھا اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق کے وقت کیا کیا فتوحاتِ اسلام ہوئیں اور کیا کیا مشکلات پیش آئیں۔ اور حضرت فاروق کے زمانہ میں کن کن ممالک تک فتوحات اسلام ہوئیں۔ یہ تمام امور صرف احادیث اور اقوال صحابہ کے ذریعہ سے معلوم ہوتے ہیں۔ پھر اگر احادیث کچھ بھی چیز نہیں تو پھر اُس زمانہ کے حالات دریافت کرنا نہ صرف ایک امر مشکل بلکہ محالات میں سے ہوگا۔ اور اس صورت میں واقعات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی نسبت مخالفین کو ہر یک افترار کی گنجائش ہوگی اور ہم دشمنوں کو بیجا حملہ کرنے کا بہت سا موقعہ دینگے اور ہمیں ماننا پڑے گا کہ جو کچھ ان احادیث کے ذریعہ سے واقعات اور سوانح دریافت ہوتے ہیں وہ سب ہیچ اور کالعدم ہیں

یہاں تک کہ صحابہ کے نام بھی یقینی طور پر ثابت نہیں۔ غرض ایسا خیال کرنا کہ احادیث کے
ذریعہ سے کوئی یقینی اور قطعی صداقت ہمیں مل ہی نہیں سکتی گویا اسلام کا بہت سا حصہ اپنے
ہاتھ سے نابود کرنا ہے بلکہ اصل اور صحیح امر یہ ہے کہ جو کچھ احادیث کے ذریعہ سے بیان ہوا ہے
جب تک صحیح اور صاف لفظوں میں قرآن اُس کا معارض نہ ہو تب تک اس کو قبول کرنا لازم ہے
کیونکہ یہ بات مسلّم ہے کہ طبعی امر انسان کے لئے راستگوئی ہے اور انسان جھوٹ کو محض کسی
مجبوری کی وجہ سے اختیار کرتا ہے کیونکہ وہ اُس کے لئے ایک غیر طبعی ہے پھر ایسی احادیث جو
تعامل اعتقادی یا عملی میں آ کر اسلام کے مختلف گروہوں کا ایک شعار ٹھہر گئی تھیں انکی قطعیت
اور تواتر کی نسبت کلام کرنا تو درحقیقت جنون اور دیوانگی کا ایک شعبہ ہے مثلاً آج اگر کوئی
شخص یہ بحث کرے کہ یہ پنج نمازیں جو مسلمان پنج وقت ادا کرتے ہیں اُن کی رکعات کی تعداد ایک
شکی امر ہے کیونکہ مثلاً قرآن کریم کی کسی آیت میں یہ مذکور نہیں کہ تم صبح کی دو رکعت پڑھا کرو اور
پھر جمعہ کی دو اور عیدین کی بھی دو دو۔ رہی احادیث تو وہ اکثر احاد ہیں جو مفید یقین نہیں تو
کیا ایسی بحث کرنے والا حق پر ہوگا۔ اگر احادیث کی نسبت ایسی ہی رائیں قبول کی جائیں تو
سب سے پہلے نماز ہی ہاتھ سے جاتی ہے کیونکہ قرآن نے تو نماز پڑھنے کا کوئی نقشہ کھینچ کر نہیں دکھلایا
صرف یہ نمازیں احادیث کی صحت کے بھروسہ پر پڑھی جاتی ہیں اب اگر مخالف یہی اعتراض
کرے کہ قرآن نے نماز کا طریق نہیں سکھلایا اور جس طریق کو مسلمانوں نے اختیار کر رکھا
ہے وہ مردود ہے کیونکہ احادیث قابلِ اعتبار نہیں تو ہم ایسے اصول پر آپ ہی پابند ہونے
سے کہ بیشک احادیث کچھ بھی چیز نہیں اس اعتراض کا کیا جواب دے سکتے ہیں بجز اس کے
کہ اعتراض کو قبول کر لیں بلکہ اس صورت میں اسلام کی نماز جنازہ بھی بالکل بیہودہ ہوگی
کیونکہ قرآن میں اس بات کا کہیں ذکر نہیں کہ کوئی ایسی نماز بھی ہے کہ جس میں سجدہ اور رکوع
نہیں۔ اب سوچکر دیکھ لو کہ احادیث کے چھوڑنے سے اسلام کا کیا باقی رہ جاتا ہے۔

اور خود یہ بات قلتِ تدبر کا نتیجہ ہے کہ ایسا خیال کر لیا جائے کہ احادیث کا ماحصل صرف اس قدر ہے

کہ محض ایک یا دُو آدمی کے بیان کو معتبر سمجھ کے اُس کی روایت کو قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیال کر لیا جائے بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ احادیث کا سلسلہ تعامل کے سلسلہ کی ایک فرع اور اطراد بعد الوقوع کے طور پر ہے۔ مثلاً محدثین نے دیکھا کہ کروڑہا آدمی مغرب کے فرض کی تین رکعت پڑھتے ہیں اور فجر کی دو۔ اور مع ذالک ہر ایک رکعت میں سورۃ فاتحہ ضرور پڑھتے ہیں اور آمین بھی کہتے ہیں گو بالجہر یا بالسر اور قعدہ آخیرہ میں التحیات پڑھتے ہیں اور ساتھ اس کے درود اور کئی دُعائیں ملاتے ہیں اور دونوں طرف سلام دیکر نماز سے باہر ہوتے ہیں۔ سو اس طرز عبادت کو دیکھ کر محدثین کو یہ ذوق اور شوق پیدا ہوا کہ تحقیق کے طور پر اس وضع نماز کا سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دیں اور احادیث صحیحہ مرفوعہ متصلہ سے اس کو ثابت کریں۔ اب اگرچہ یہ بات سچ ہے کہ انہوں نے ایسے سلسلہ کی بہم رسانی کے لئے یہ کوشش نہیں کی کہ ایک ایک حدیث کے مضمون کے لئے ہزار ہزار یا دُو دُو ہزار طرق اسناد بہم پہنچا دیں۔ مگر کیا یہ بھی سچ ہے کہ اس نماز کی بنیاد ڈالنے والے وہی محدث تھے اور پہلے اُس سے دُنیا میں نماز نہیں ہوتی تھی اور دنیا نماز سے بالکل بے خبر تھی اور کئی صدیوں کے بعد صرف ایک دو حدیثوں پر اعتبار کرنے سے نماز شروع کی گئی پس مَیں زور سے کہتا ہوں کہ یہ ایک بڑا دھوکا ہوگا اگر یہ خیال کر لیا جائے گا کہ صرف مدار ثبوت اُن رکعات اور کیفیت نماز خوانی کا اُن چند حدیثوں پر تھا جو بنظر ظاہر احاد سے زیادہ معلوم نہیں ہوتیں اگر یہی سچ ہے تو سب سے پہلے فرائض اسلام کے لئے ایک سخت اور لاعلاج ماتم درپیش ہے جسکی فکر ایک مسلمان کہلانے والے ذی غیرت کو سب سے مقدم ہے۔ مگر یاد رہے کہ ایسا خیال فقط ان لوگوں کا ہے جنہوں نے کبھی بیدار ہو کر سوانح اور واقعات اور رسوم اور عبادات اسلام کی طرف نظر نہیں کی کہ کیونکر اور کس طریق سے یقینی امور کا ان کو مرتبہ حاصل ہوا۔

سو واضح ہو کہ اس یقین کے بہم پہنچانے کے لئے تعامل قومی کا سلسلہ نہایت تسلی بخش نمونہ ہے مثلاً وہ احادیث جن سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز فجر کی اس قدر رکعت اور نماز مغرب کی اس قدر رکعات ہیں اگر فرض کرو کہ ایسی حدیثیں دُو یا تین ہیں اور بہرحال احاد سے زیادہ نہیں مگر کیا اس تحقیق اور تفتیش سے پہلے لوگ نماز نہیں

پڑھتے تھے۔ اور حدیثوں کی تحقیق اور راویوں کا پتہ ملنے کے بعد پھر نمازیں شروع کرائی گئیں تھیں بلکہ کروڑ ہا انسان اسی طرح نماز پڑھتے تھے اور اگر فرض کے طور پر حدیثوں کے اسنادی سلسلہ کا وجود بھی نہ ہوتا۔ تاہم اس سلسلہ تعامل سے قطعی اور یقینی طور پر ثابت تھا کہ نماز کے بارے میں اسلام کی مسلسل تعلیم وقتاً بعد وقتٍ اور قرناً بعد قرنٍ یہی چلی آئی ہے۔ ہاں احادیث کی اسناد مرفوعہ متصلہ نے اس سلسلہ کو نورٌ علی نور کر دیا۔ پس اگر اس قاعدہ سے احادیث کو دیکھا جائے تو اُن کے اکثر حصہ کو جس کا معین اور مددگار سلسلہ تعامل ہے احاد کے نام سے یاد کرنا بڑی غلطی ہوگی اور درحقیقت یہی ایک بھاری غلطی ہے جس نے اس زمانہ کے نیچریوں کو صداقتِ اسلام سے بہت ہی دُور ڈال دیا وہ خیال کرتے ہیں کہ گویا اسلام کی وہ تمام سنن اور رسوم اور عبادات اور سوانح اور تواریخ جن پر حدیثوں کا حوالہ دیا جاتا ہے وہ صرف چند حدیثوں کی بنا پر ہی قائم ہیں حالانکہ یہ اُن کی فاش غلطی ہے بلکہ جس تعامل کے سلسلہ کو ہمارے نبی صلعم نے اپنے ہاتھ سے قائم کیا تھا وہ ایسا کروڑ ہا انسانوں میں پھیل گیا تھا کہ اگر محدّثین کا دُنیا میں نام و نشان بھی نہ ہوتا تب بھی اس کو کچھ نقصان نہ تھا۔ یہ بات ہر ایک کو ماننی پڑتی ہے کہ اس مقدس معلّم اور مقدس رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم کی باتوں کو ایسا محدود نہیں رکھا تھا کہ صرف دو چار آدمیوں کو سکھلائی جائیں اور باقی سب اُس سے بے خبر ہوں اگر ایسا ہوتا تو پھر اسلام ایسا بگڑتا کہ کسی محدّث وغیرہ کے ہاتھ سے ہرگز درست نہیں ہو سکتا تھا۔ اگرچہ آئمہ حدیث نے دینی تعلیم کی نسبت ہزار ہا حدیثیں لکھیں مگر سوال تو یہ ہے کہ وہ کونسی حدیث ہے جو ان کے لکھنے کے پہلے اُس پر عمل نہ تھا اور دنیا اس مضمون سے غافل تھی اگر کوئی ایسی تعلیم یا ایسا واقعہ یا ایسا عقیدہ ہے جو اُس کی بُنیادی اینٹ صرف آئمہ حدیث نے ہی کسی روایت کی بنا پر رکھی ہے اور تعامل کے سلسلہ میں جس کے کروڑہا افراد انسانی قائل ہوں اس کا کوئی اثر و نشان دکھائی نہیں دیتا اور نہ قرآن کریم میں اس کا کچھ ذکر پایا جاتا ہے تو بلاشبہ ایسی خبر واحد کا جس کا پتہ بھی سو ڈیڑھ سو برس کے بعد لگا یقین کے درجہ سے بہت ہی نیچے گری ہوئی ہوگی اور جو کچھ اُسکی ناقابل تسلی ہونیکی نسبت کہو وہ بجا ہے لیکن ایسی حدیثیں درحقیقت دین اور سوانح

اسلام سے کچھ بڑا تعلق نہیں رکھتیں بلکہ اگر سوچکر دیکھو تو آئمہ حدیث نے ایسی حدیثوں کا بہت ہی کم ذکر کیا ہے جن کا تعامل کے سلسلہ میں نام ونشان تک نہیں پایا جاتا۔ پس جیسا کہ بعض جاہل خیال کرتے ہیں یہ بات ہرگز صحیح نہیں ہے کہ دُنیا نے دین کے صدہا ضروری مسائل یہاں تک کہ صوم و صلوٰۃ بھی صرف امام بخاری اور مسلم وغیرہ کی احادیث سے سیکھے ہیں۔ کیا سوڈیڑھ سو برس تک لوگ بے دین ہی چلے آتے تھے کیا وہ لوگ نماز نہیں پڑھتے تھے زکوٰۃ نہیں دیتے تھے حج نہیں کرتے تھے اور اُن تمام اسلامی عقائد کے امور سے جو حدیثوں میں لکھے ہیں بے خبر تھے حاشا وکلا ہرگز نہیں اور جو کوئی ایسا خیال کرے اس کا حمق ایک تعجب انگیز نادانی ہے پھر جبکہ بخاری اور مسلم وغیرہ آئمہ حدیث کے زمانہ سے پہلے بھی اسلام ایسا ہی سرسبز تھا جیسا کہ ان اماموں کی تالیفات کے بعد۔ تو پھر یہ خیال کس قدر بے تمیزی اور ناسمجھی ہے کہ سراسر تحکم کی راہ سے یہ اعتقاد کر لیا جائے کہ صرف دوسری صدی کی روایتوں کے سہارے سے اسلام کا وہ حصہ پھولا پھلا ہے جس کو حال کے زمانہ میں احادیث کہتے ہیں اور افسوس تو یہ کہ مخالف تو مخالف ہمارے مذہب کے بے خبر لوگوں کو بھی یہی دعوٰی لگ گیا ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ گویا ایک مدت کے بعد صرف حدیثی روایات کے مطابق بہت سے مسائل اسلام کے ایسے لوگوں کو تسلیم کرائے گئے ہیں کہ جو ان حدیثوں کے قلمبند ہونے سے پہلے اُن مسائل سے بکلی غافل تھے بلکہ حق بات جو ایک بدیہی امر کی طرح ہے یہی ہے کہ آئمہ حدیث کا اگر لوگوں پر کچھ احسان ہے تو صرف اس قدر کہ وہ امور جو ابتدا سے تعامل کے سلسلہ میں ایک دنیا ان کو مانتی تھی ان کی اسناد کے بارے میں ان لوگوں نے تحقیق اور تفتیش کی اور یہ دکھلا دیا کہ اُس زمانہ کی موجودہ حالت میں جو کچھ اہل اسلام تسلیم کر رہے ہیں یا عمل میں لا رہے ہیں یہ ایسے امور نہیں جو بطور بدعات اسلام میں اب مخلوط ہو گئے ہیں بلکہ یہ وہی گفتار و کردار ہے جو آنحضرت صلعم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو تعلیم فرمائی تھی۔

افسوس کہ اس صحیح اور واقعی امر کے سمجھنے میں غلط فہمی کر کے کوتہ اندیش لوگوں نے کس قدر بڑی غلطی کھائی جسکی وجہ سے آجتک وہ حدیثوں کو سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھ رہے ہیں اگرچہ یہ تو سچ ہے

حدیثوں کا وہ حصہ جو تعامل قولی و فعلی کے سلسلہ سے باہر ہے اور قرآن سے تصدیق یافتہ نہیں یقین کامل کے مرتبہ پر مسلم نہیں ہو سکتا لیکن وہ دوسرا حصہ جو تعامل کے سلسلہ میں آگیا اور کروڑہا مخلوقات ابتداء سے اُس پر اپنے عملی طریق سے محافظ اور قائم چلی آئی ہے اُس کو ظنی اور شکی کیونکر کہا جائے۔ ایک دنیا کا مسلسل تعامل جو بیٹوں سے باپوں تک۔ اور باپوں سے دادوں تک۔ اور دادوں سے پڑدادوں تک بدیہی طور پر مشہور ہو گیا۔ اور اپنے اصل مبدار تک اس کے آثار اور انوار نظر آگئے اس میں تو ایک ذرہ شک کی گنجایش نہیں رہ سکتی۔ اور بغیر اس کے انسان کو کچھ بن نہیں پڑتا کہ ایسے مسلسل عملدرآمد کو اوّل درجہ کے یقینیات میں سے یقین کرے پھر جبکہ آئمہ حدیث نے اس سلسلہ تعامل کے ساتھ ایک اور سلسلہ قائم کیا اور امور تعاملی کا اسناد راستگو اور متدین راویوں کے ذریعہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دیا تو پھر بھی اس پر جرح کرنا درحقیقت ان لوگوں کا کام ہے جن کو بصیرت ایمانی اور عقل انسانی کا کچھ بھی حصہ نہیں ملا۔

اب اس تمہید کے بعد یہ بھی واضح ہو کہ مسیح موعود کے بارے میں جو احادیث میں پیشگوئی ہے وہ ایسی نہیں ہے کہ جس کو صرف آئمہ حدیث نے چند روایتوں کی بنار پر لکھا ہو وبس۔ بلکہ یہ ثابت ہو گیا ہے کہ یہ پیشگوئی عقیدہ کے طور پر ابتدار سے مسلمانوں کے رگ و ریشہ میں داخل چلی آتی ہے گویا جس قدر اُس وقت روئے زمین پر مسلمان تھے اُسی قدر اس پیشگوئی کی صحت پر شہادتیں موجود تھیں کیونکہ عقیدہ کے طور پر وہ اس کو ابتدار سے یاد کرتے چلے آتے تھے۔ اور آئمہ حدیث امام بخاری وغیرہ نے اس پیشگوئی کی نسبت اگر کوئی امر اپنی کوشش سے نکالا ہے تو صرف یہی کہ جب اُس کو کروڑہا مسلمانوں میں مشہور اور زبان زد پایا تو اپنے قاعدہ کے موافق مسلمانوں کے اس قولی تعامل کے لئے روائتی سند کو تلاش کر کے پیدا کیا اور روایات صحیحہ مرفوعہ متصلہ سے جن کا ایک ذخیرہ انکی کتابوں میں پایا جاتا ہے اسناد کو دکھایا علاوہ اس کے کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ اگر نعوذ باللہ یہ افترا ہے تو اس افترار کی مسلمانوں کو کیا ضرورت تھی اور کیوں انہوں نے اس پر اتفاق کر لیا۔ اور کس مجبوری نے ان کو اس افترا پر آمادہ کیا تھا پھر جب ہم دیکھتے ہیں کہ دوسری طرف ایسی حدیثیں بھی بکثرت پائی جاتی ہیں جن میں یہ پیشگوئی لکھی گئی ہے

کہ آخری زمانہ میں علمار اس امت کے یہودی صفت ہو جائیں گے اور دیانت اور خدا ترسی اور اندرو
پاکیزگی اُن سے دُور ہو جائے گی اور اُس زمانہ میں صلیبی مذہب کا بہت غلبہ ہوگا اور صلیبی مذہب کی حکو
اور سلطنت تقریباً تمام دُنیا میں پھیل جائے گی تو اور بھی ان احادیث کی صحت پر دلائل قاطعہ پیدا
ہیں کیونکہ کچھ شک نہیں کہ اس زمانہ میں یہ پیشگوئی پوری ہوگئی۔ اور ہمارے اس زمانہ کے علمار درحقیقت
یہودیوں سے مشابہ ہوگئے اور نصاریٰ کی سلطنت اور حکومت ایسی دنیا میں پھیل گئی کہ پہلے زمانوں میں
اس کی نظیر نہیں پائی جاتی پھر جس حالت میں ایک جُز اُس پیشگوئی کا صریح اور صاف اور بدیہی طور پر
پُورا ہوگیا تو پھر دوسری خبر کی صداقت میں کیا کلام رہا یہ بات تو ہر ایک عاقل کے نزدیک مسلّم ہے کہ اگر
مثلاً ایک حدیث احادیث میں سے ہو اور سلسلہ تعامل میں بھی داخل نہ ہو مگر ایک پیشگوئی پر مشتمل ہو کہ وہ
اپنے وقت پر پوری ہو جائے یا اُس کا ایک جُز پُورا ہو جائے تو اس حدیث کی صحت میں کوئی شک باقی
نہیں رہے گا مثلاً نار حجاز کی حدیث جو صحیحین میں درج ہے کچھ شک نہیں کہ احادیث میں سے ہے لیکن
وہ پیشگوئی قریباً چھ سو برس گزرنے کے بعد بعینہٖ پوری ہوگئی جس کے پورے ہونے کے بارے
میں انگریزوں کو بھی اقرار ہے اور اُس زمانہ میں پوری ہوئی کہ جب صدہا سال اُن کتابوں کی
تالیف اور شائع ہونے پر بھی گذر چکے تھے تو کیا اُن حدیثوں کی نسبت اب یہ رائے ظاہر کر سکتے
ہیں کہ وہ احاد ہیں اس لئے یقینی طور پر قبول کے لائق نہیں کیونکہ جب اُن کی صداقت کُھل گئی تو
پھر ایسا خیال دل میں لانا نہایت بُری اور مکروہ نادانی ہے پس ایسا ہی مسیح موعود کی پیشگوئی
میں سوچ لو کہ اس میں بھی یہ الفاظ کہیں صراحتاً اور کہیں اشارۃً موجود تھے کہ وہ مسیح موعود ایسے
وقت میں آئے گا کہ جب حکومت اور قوت نصاریٰ کی تمام رُوئے زمین پر پھیلی ہوئی ہوگی۔ اور ریل
جاری ہوگی اور اکثر زمین کے حصے زیر کاشت آجائیں گے اور کاشتکاری کی طرف لوگ بہت متوجہ
ہونگے یہاں تک کہ بیل مہنگے ہو جائیں گے اور زمین پر نہروں کی کثرت ہو جائے گی۔ اور دنیوی
حالت کی رُو سے امن کا زمانہ ہوگا۔ سو ہم دیکھتے ہیں کہ یہ پیشگوئی ہمارے زمانہ میں پُوری ہوگئی کیونکہ
عیسائی سلطنت کا ستارہ اس زمانہ میں ایسے عروج پر پہنچ گیا ہے کہ گویا اُس کے سامنے تمام حکومتیں

ریاستیں کالعدم ہیں اور ریل کی سواری اور نہریں اور کثرت کاشتکاری بھی ہم نے آنکھ سے
لی۔ اب سوچو کہ کیا اِس پیشگوئی میں وہ غیب کی باتیں نہیں جو انسان کی طاقت سے بالاتر ہیں کیا
سلام کی یہ حالت تنزل اس زمانہ میں جبکہ اسلام کی شمشیر بجلی کی طرح کفار پر پڑ رہی تھی کسی کو معلوم
ی ؟ کیا کوئی نوع انسان میں سے ایسے غیب پر قادر ہو سکتا ہے کہ ایسی نئی سواری کی خبر دے جس کا پہلے
جود ثابت نہیں ہوتا۔ نظر اٹھاؤ اور دیکھو اور خوب سوچو کہ کیا یہ پیشگوئی ان عظیم الشان پیشگوئیوں
ں سے نہیں ہے جو اُن کی حقیقت اور اُن کے ظہور پر صرف خدا تعالیٰ کا علم ہی محیط ہوتا ہے اور
نسان کی کارستانیاں اور مخلوق کے ضعیف منصوبے اس پر مشتبہ نہیں ہو سکتے۔ واضح رہے کہ ان
یشگوئیوں کا ایک عجیب سلسلہ ہے اور ایک نہایت درجہ کی ترتیب ابلغ اور ترکیب محکم سے معارف
طیفہ اور نکات دقیقہ اور امور غیبیہ کے ساتھ مرصع کر کے ذکر فرمایا گیا ہے جس کی بلند شان تک ہرگز
نسان کی رسائی نہیں مثلاً اوّل وہ پیشگوئیاں بیان فرمائیں جو اسلام کی ترقی کا زمانہ تھا اور
نہیں پیشگوئیوں کے ضمن میں فرمایا کہ کسریٰ ہلاک ہوگا اور پھر بعد اُس کے کسریٰ نہیں ہوگا اور
قیصر ہلاک ہوگا اور پھر بعد اس کے قیصر نہیں ہوگا اور اسلام ترقی کرے گا اور پھیلے گا اور ہر یک
قوم میں داخل ہوگا۔ اور پھر فرمایا کہ اس اُمت پر ایک آخری زمانہ آئے گا کہ علماء اس امت کے
یہود کے مشابہ ہو جائیں گے اور دیانت اور تقویٰ ان میں سے جاتی رہے گی جھوٹے فتوے اور مکاریاں
اور منصوبے اُن کا دین ہوگا اور دنیوی لالچوں میں گرفتار ہو جائیں گے اور یہود کے ساتھ شدت
سے مشابہت پیدا کر لیں گے یہاں تک کہ اگر کسی یہودی نے اپنی ماں سے زنا کیا ہے تو وہ بھی کریں گے
اور ایسا ہی اُس زمانہ میں قوم نصاریٰ دنیا میں پھیل جائے گی اور دوسری قوموں کو مغلوب کرے گی
اور دین کی محبت دلوں سے ٹھنڈی ہو جائے گی۔ اور زہرناک ہواؤں کے چلنے کی وجہ سے دینِ اسلام
ایک مسلسل اور غیر منقطع خطرات میں پڑ جائے گا۔ تب مصیبتیں پڑیں گی اور آفتیں زیادہ ہوں گی اور
مسلمانوں کے دلوں سے تقویٰ جاتی رہے گی اور بہتر ہوگا کہ ایک شخص اکیلا بسر کرے اور بکریوں کے دودھ
پر قناعت رکھے اور مسلمانوں کی جماعت کا نام نہ لیوے اور فرمایا کہ جب تُو ایسا حال دیکھے تو ان سب فرقوں کو

چھوڑدے اور کسی درخت کی جڑ ہوں کو دانت مار۔ یہاں تک کہ تیری جان نکل جائے اور پھر اسی ضمن میں مسیح موعود کے آنے کی خبر دی اور فرمایا کہ اس کے ہاتھ سے عیسائی دین کا خاتمہ ہوگا اور فرمایا کہ وہ اُن کی صلیب کو توڑے گا اور یہ نہ فرمایا کہ وہ اُنکی حکومت کو پامال کرے گا۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ مسیح موعود کی سلطنت رُوحانی ہوگی اور اِس دُنیا کی حکومتوں سے اس کو کچھ بھی سروکار نہ ہوگا بلکہ وہ اپنی برکات کے زور سے لڑے گا۔ اور اپنے خوارق کے ہتھیاروں سے میدان میں آئیگا یہاں تک کہ صلیب کی رونق اور عظمت کو توڑدے گا اور عیسائیت کے بے برکت اور منحوس عقیدوں کا پردہ کھول دیگا کیونکہ اس کا نور ایک تلوار کی طرح چمکے گا۔ اور جس طرح بجلی گرتی ہے اسی طرح کفر کی ظلمت پر گریگا یہاں تک کہ حق کے طالب سمجھ جائینگے کہ وہ زندہ خدا اسلام کے ساتھ ہے یہ تمام پیشگوئیاں احادیث میں ایک دریا کی طرح بہ رہی ہیں اور ایک دوسری سے ان کا ایسا تعلق ہے کہ ایک کی تکذیب سے دوسری کی تکذیب لازم آتی ہے اور ایک کے ماننے سے دوسری بھی ماننی پڑتی ہے پھر ایسی مسلسل اور مرتب اور محکم اور بانظام پیشگوئیوں میں کون شک کرسکتا ہے بجز اسکے کہ پاگلوں سے زیادہ مخبط الحواس ہوگیا کوئی دانا ایک سکنڈ کے لئے بھی یہ تجویز کرسکتا ہے کہ یہ ہزارہا پیشگوئیاں جو خارق عادت امور پر مشتمل ہیں صرف انسان کا افترا ہے۔ سچ بات یہ ہے کہ مرتب اور بانظام اور عظیم الشان باتوں کا انکار ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ ان کے انکار سے ایک انقلاب عظیم لازم آتا ہے اور ایک دُنیا کو بدلانا پڑتا ہے۔

ماسوا اس کے ان پیشگوئیوں میں ان کی صداقت کے لئے ایک عظیم الشان نشان یہ ہے کہ دنیوی انقلابات کے متعلق جو کچھ ان میں درج تھا اور بظاہر وہ سب ناشدنی باتیں تھیں وہ تمام باتیں پوری ہوگئی ہیں کیونکہ تیرہویں صدی کی ابتدا سے ہی ہر ایک اندرونی اور بیرونی آفت میں ترقی ہونے لگی یہاں تک کہ تیرہویں صدی کے خاتمہ تک گویا دین اور اسلامی شوکت اور حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔ اور وہ بلائیں مسلمانوں کے دین اور دُنیا پر نازل ہوئیں کہ گویا اُن کا جہان ہی بدل گیا جب ہم ان بلاؤں کو اپنی نظر کے سامنے رکھ کر پھر ان پیشگوئیوں پر نظر ڈالتے ہیں جو امام بخاری اور مسلم وغیرہ نے اس وقت سے قریباً گیارہ سو برس پہلے لکھی تھیں

اور اُس زمانہ میں لکھی تھیں کہ جب اسلام کا آفتاب نصف النہار پر تھا اور اُس کی اندرونی حالت گویا حُسن میں رشک یوسف تھی اور اس کی بیرونی حالت اپنی شوکت سے اسکندر رومی کو شرمندہ کرتی تھی تو اپنے نبی کریمؐ کی کامل اور پاک وحی اور عظمت اور جلال اور قوتِ قدسیہ کو یاد کر کے ہماری رقتِ ایمانی جوش میں آتی ہے اور بلا اختیار رونا آتا ہے سبحان اللہ وہ کیا نور تھا جس پر آج سے تیرہ سو برس پہلے قبل از وقت ظاہر کیا گیا کہ اس کی امت ابتدا میں کیونکر نشو و نما کریگی اور کیونکر خارق عادت طور پر اپنی ترقی دکھلائے گی اور کیونکر آخری زمانہ میں یکدفعہ نیچے گرے گی اور پھر کیونکر چند صدیوں میں قوم نصاریٰ کا تمام روئے زمین پر غلبہ ہو جائے گا۔ اور یاد رہے کہ اسی زمانہ کی نسبت مسیح موعود کے ضمن بیان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی خبر دی جو صحیح مسلم میں درج ہے اور فرمایا ولیترکن القلاص فلا یسعیٰ علیہا یعنے مسیح موعود کے زمانہ میں اونٹنی کی سواری موقوف ہو جائے گی پس کوئی اُن پر سوار ہو کر اُن کو نہیں دوڑائے گا۔ اور یہ ریل کی طرف اشارہ تھا کہ اُس کے نکلنے سے اونٹوں کے دوڑانے کی حاجت نہیں رہے گی اور اونٹ کو اس لئے ذکر کیا کہ عرب کی سواریوں میں سے بڑی سواری اونٹ ہی ہے جس پر وہ اپنے مختصر گھر کا تمام اسباب رکھ کر پھر سوار بھی ہو سکتے ہیں اور بڑے کے ذکر میں چھوٹا خود ضمناً آجاتا ہے پس حاصل مطلب یہ تھا کہ اس زمانہ میں ایسی سواری نکلے گی کہ اونٹ پر بھی غالب آجائے گی۔ جیسا کہ دیکھتے ہو کہ ریل کے نکلنے سے قریباً وہ تمام کام جو اونٹ کرتے تھے اب ریلیں کر رہی ہیں پس اس سے زیادہ تر صاف اور منکشف اور کیا پیشگوئی ہو گی۔ چنانچہ اس زمانہ کی قرآن شریف نے بھی خبر دی ہے جیسا کہ فرماتا ہے وَ اِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ یعنی آخری زمانہ وہ ہے کہ جب اونٹنی بیکار ہو جائے گی یہ بھی صریح ریل کی طرف اشارہ ہے اور وہ حدیث اور یہ آیت ایک ہی خبر دے رہی ہیں اور چونکہ حدیث میں صریح مسیح موعود کے بارے میں یہ بیان ہے اس سے یقیناً یہ استدلال کرنا چاہیئے کہ یہ آیت بھی مسیح موعود کے زمانہ کا حال بتلا رہی ہے۔ اور اجمالاً مسیح موعود کی طرف اشارہ کرتی ہے پھر لوگ باوجود ان آیات بینات کے جو آفتاب کی طرح چمک رہی ہیں ان پیشگوئیوں کی نسبت شک کرتے ہیں اب منصفین سوچ لیں کہ ایسی پیشگوئیوں کی نسبت جنکی غیبی باتیں پوری ہوتی آنکھ نے دیکھ لی ہیں شک کرنا اگر حماقت

نہیں تو اور کیا ہے۔

اِس قدر جو مَیں نے احادیث کی رُو سے مسیح موعود کی پیشگوئی کے بارے میں لکھا ہے مَیں یقین رکھتا ہوں کہ وہ ایسے شخص کی تسلّی یاب ہونے کے لئے کافی ہے جو صداقت کو پاکر پھر ناحق کی مخالفت کرنا نہیں چاہتا۔ اور مَیں نے اس جگہ اصل الفاظ احادیث کو نقل نہیں کیا اور نہ تمام احادیث کے خلاصہ کو لکھا ہے کیونکہ یہ حدیثیں ایسی مشہور اور زبان زد خلائق ہیں کہ دیہات کے چھوٹے چھوٹے طالب العلم بھی ان کو جانتے ہیں اور اگر مَیں تمام احادیث کو جو اس باب میں آئی ہیں اس مختصر رسالہ میں لکھتا تو شائد میں دس جزو تک بھی لکھ کر فارغ نہ ہوسکتا لیکن مَیں ناظرین کو توجہ دلاتا ہوں کہ ضرور وہ صحاح ستہ کی اصل کتابیں یا ان کے تراجم کو غور سے دیکھیں تا انھیں معلوم ہو کہ کس کثرت سے اور کس قوت بیان کے ساتھ اِس قسم کی احادیث موجود ہیں۔

دوسرا امر تنقیح طلب یہ تھا کہ قرآن کریم میں مسیح موعود کی نسبت کچھ ذکر ہے یا نہیں اس کا فیصلہ دلائل قطعیہ نے اس طرح پر دیا ہے کہ ضرور یہ ذکر قرآن میں موجود ہے اور کچھ شک نہیں کہ جو شخص قرآن کریم کی اُن آیندہ کی پیشگوئیوں پر غور کرے گا جو اس امت کے آخری زمانہ کی نسبت اُس مقدس کتاب میں ہیں تو اگر وہ فہیم اور زندہ دل اپنے سینہ میں رکھتا ہے تو اُس کو اس بات کے ماننے سے چارہ نہیں ہوگا کہ قرآن کریم میں یقینی اور قطعی طور پر ایک ایسے مصلح کی خبر موجود ہے جس کا دوسرے لفظوں میں مسیح موعود ہی نام ہونا چاہیئے نہ اور کچھ۔ اس خبر کو سمجھنے کے لئے پہلے مندرجہ ذیل آیات کو یکجائی نظر سے دیکھ لینا چاہیئے مثلاً یہ آیات والتی احصنت فرجھا فنفخنا فیھا من روحنا وجعلناھا وابنھا اٰیۃً للعٰلمین۔ ان ھٰذہ امتکم امۃ واحدۃ وانا ربکم فاعبدون۔ وتقطعوا امرھم بینھم کل الینا راجعون۔ حتّٰی اذا فتحت یاجوج وماجوج وھم من کل حدب ینسلون ✣ واقترب الوعد الحق فاذا ھی شاخصۃ ابصار الذین کفروا یاویلنا قد کنا فی غفلۃ من ھذا بل کنا ظالمین۔

یعنے خداتعالیٰ نے اُس عورت کو ہدایت دی جس نے اپنی شرمگاہ کو نامحرم سے بچایا پس خدا نے اُس میں اپنی

نوٹ: حزقیل ۳۸ باب اور ۳۹ باب آیت ۵ و ۶ ۔ روضۃ الصفا بیان اقلیم چہارم پنجم و ششم و تفسیر معالم ۔ منہ

رُوح کو پھونک دیا اور اُس کو اور اُس کے بیٹے کو دُنیا کے لئے ایک نشان ٹھہرایا۔ اور خدا نے کہا کہ یہ امت تمہاری ایک ہی امت ہے اور میں تمہارا پروردگار ہوں سو تم میری ہی بندگی کرو مگر وہ فرقہ فرقہ ہو گئے اور اپنی بات کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اور باہم اختلاف ڈال دیا۔ اور آخر ہر ایک ہماری ہی طرف رجوع کرے گا۔ اور تمام فرقے ایسی ہی حالت پر رہیں گے۔ یہاں تک کہ یاجوج اور ماجوج کھولے جائینگے اور وہ ہر ایک بلندی سے دوڑتے ہونگے اور جب تم دیکھو کہ یاجوج ماجوج زمین پر غالب ہو گئے تو سمجھو کہ وعدہ سچا مذہب حق کے پھیلنے کا نزدیک آگیا اور وہ وعدہ یہ ہے ھو الذی ارسل رسوله بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہٗ علی الدین کلّه اور پھر فرمایا کہ اُس وعدے کے ظہور کے وقت کفار کی آنکھیں چڑھی ہونگی اور کہیں گے کہ اے وائے ہم کو ہم اس سے غفلت میں تھے بلکہ ہم ظالم تھے یعنی ظہور حق بڑے زور سے ہوگا اور کفار سمجھ لیں گے کہ ہم خطا پر ہیں ان تمام آیات کا ماحصل یہ ہے کہ آخری زمانہ میں دُنیا میں بہت سے مذہب پھیل جائینگے اور بہت سے فرقے ہو جائینگے پھر دو قومیں خروج کرینگی جن کا عیسائی مذہب ہوگا اور ہر ایک طور کی بلندی وہ حاصل کرینگے اور جب تم دیکھو کہ عیسائی مذہب اور عیسائی حکومتیں دُنیا میں پھیل گئیں تو جانو کہ وعدہ کا وقت نزدیک ہے پھر دوسرے مقام میں فرمایا ہے فاذا جاء وعد ربی جعله دکاء وکان وعد ربی حقا وترکنا بعضھم یومئذٍ یموج فی بعض ونفخ فی الصور فجمعناھم جمعا۔ الجزو نمبر ۱۶ یعنے جب وعدہ خدا تعالیٰ کا نزدیک آجائے گا تو خدا تعالیٰ اُس دیوار کو ریزہ ریزہ کر دے گا جو یاجوج ماجوج کی روک ہے اور خدا تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور ہم اُس دن یعنے یاجوج ماجوج کی سلطنت کے زمانہ میں متفرق فرقوں کو مہلت دینگے کہ تا ایک دوسرے میں موجزنی کریں یعنی ہر یک فرقہ اپنے مذہب اور دین کو دوسرے پر غالب کرنا چاہے گا اور جس طرح ایک موج اس چیز کو اپنے نیچے دبانا چاہتی ہے جس کے اوپر پڑتی ہے اسی طرح موج کی مانند بعض بعض پر پڑینگی تا ان کو دبالیں اور کسی کی طرف سے کمی نہیں ہوگی ہر یک فرقہ اپنے مذہب کو عروج دینے کے لئے کوشش کرے گا اور وہ انہیں لڑائیوں میں ہونگے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے صور پھونکا جائے گا تب ہم تمام فرقوں کو ایک ہی مذہب پر جمع

کر دیں گے ؎ صُور پھونکنے سے اِس جگہ یہ اشارہ ہے کہ اُس وقت عادت اللہ کے موافق خدا تعالےٰ کی طرف سے آسمانی تائیدوں کے ساتھ کوئی مصلح پیدا ہو گا اور اُس کے دل میں زندگی کی رُوح پھونکی جائے گی اور وہ زندگی دوسروں میں سرایت کریگی۔ یاد رہے کہ صُور کا لفظ ہمیشہ عظیم الشان تبدیلیوں کی طرف اشارہ کرتا ہے گویا جب خدا تعالےٰ اپنی مخلوقات کو ایک صورت سے منتقل کرکے دوسری صورت میں لاتا ہے تو اس تغییر صُور کے وقت کو نفخ صور سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور اہل کشف پر مکاشفات کی رُو سے اس صُور کا ایک وجود جسمانی بھی محسوس ہوتا ہے اور یہ عجائبات اُس عالم میں سے ہیں جن کے بِستر اس دُنیا میں بجز منقطعین کے اور کسی پر کُھل نہیں سکتے۔ بہر حال آیات موصوفہ بالا سے ثابت ہے کہ آخری زمانہ میں عیسائی مذہب اور حکومت کا زمین پر غلبہ ہو گا اور مختلف قوموں میں بہت سے تنازعات مذھبی پیدا ہوں گے اور ایک قوم دوسری قوم کو دبانا چاہے گی اور ایسے زمانہ میں صُور پھونک کے تمام قوموں کو دین اسلام پر جمع کیا جاویگا یعنی سنّت اللہ کے موافق آسمانی نظام قائم ہو گا اور ایک آسمانی مصلح آئے گا درحقیقت اسی مصلح کا نام مسیح موعود ہے کیونکہ جبکہ فتنہ کی بُنیاد نصاریٰ کی طرف سے ہو گی اور خدا تعالیٰ کا بڑا مطلب یہ ہو گا

؎ **حاشیہ** ان آیات میں کسی کم تجربہ آدمی کو یہ خیال نہ گذرے کہ ان دونوں مقامات کے بعد میں جہنم کا ذکر ہے اور بظاہر سیاق کلام چاہتا ہے کہ یہ قصّہ آخرت سے متعلق ہو۔ مگر یاد رہے کہ یہ عام محاورہ قرآن کریم کا ہے اور صدہا نظیریں اُس کی اُس پاک کلام میں موجود ہیں کہ ایک دُنیا کے قصہ کے ساتھ آخرت کا قصہ پیوند کیا جاتا ہے۔ اور ہر ایک حصّہ کلام کا اپنے قرائن سے دوسرے حصّہ سے تمیز رکھتا ہے اس طرز سے سارا قرآن بھرا پڑا ہے مثلاً قرآن کریم میں شق القمر کے معجزہ کو ہی دیکھو کہ وہ ایک نشان تھا لیکن ساتھ اس کے قیامت کا قصہ چھیڑ دیا گیا۔ جس کی وجہ سے بعض نادان قرینوں کو نظر انداز کرکے کہتے ہیں کہ شق القمر وقوع میں نہیں آیا بلکہ قیامت کو ہو گا۔ منہ

ان کی صلیب کی شان کو توڑے اس لئے جو شخص نصاریٰ کی دعوت کے لئے بھیجا گیا۔ بوجہ رعایت
حالت اس قوم کے جو مخاطب ہے اس کا نام مسیح اور عیسیٰ رکھا گیا۔ اور دوسری حکمت اس میں یہ ہے
کہ جب نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ کو خدا بنایا اور اپنی مفتریات کو ان کی طرف منسوب کیا اور ہزارہا
بدکاریوں کو زمین پر پھیلایا۔ اور حضرت مسیح کی قدر کو حد سے زیادہ بڑھا دیا تو اس زندہ اور وحید
بے مثل کی غیرت نے چاہا کہ اسی امت سے عیسیٰ ابن مریم کے نام پر ایک اپنے بندہ کو بھیجے اور کرشمہ
قدرت کا دکھلاوے تا ثابت ہو کہ بندوں کو خدا بنانا حماقت ہے وہ جس کو چاہتا ہے چن لیتا
ہے اور مشت خاک کو افلاک تک پہنچا سکتا ہے اور اس جگہ یہ بات بھی یاد رہے کہ زمانہ کے فساد
کے وقت جب کوئی مصلح آتا ہے اس کے ظہور کے وقت پر آسمان سے ایک انتشار نورانیت ہوتا ہے
یعنی اس کے اترنے کے ساتھ زمین پر ایک نور بھی اترتا ہے اور مستعد دلوں پر نازل ہوتا ہے
تب دنیا خود بخود بشرط استعدادیکی اور سعادت کے طریقوں کی طرف رغبت کرتی ہے اور ہر یک
دل تحقیق اور تدقیق کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور نامعلوم اسباب سے طلب حق کے لئے ہر یک طبیعت
مستعدہ میں ایک حرکت پیدا ہو جاتی ہے غرض ایک ایسی ہوا چلتی ہے جو مستعد دلوں کو آخرت کی طرف
ہلا دیتی ہے اور سوئی ہوئی قوتوں کو جگا دیتی ہے اور زمانہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا ایک انقلاب
عظیم کی طرف حرکت کر رہا ہے سو یہ علامتیں اس بات پر شاہد ہوتی ہیں کہ وہ مصلح دنیا میں پیدا ہو
گیا پھر جس قدر آنے والا مصلح عظیم الشان ہو یہ غیبی تحریکات قوت سے مستعد دلوں میں اپنا کام
کرتی ہیں۔ ہر یک سعید الفطرت جاگ اٹھتا ہے اور نہیں جانتا ہے کہ اس کو کس نے جگایا
ہر یک صحیح الجبلت اپنے اندر ایک تبدیلی پاتا ہے اور نہیں معلوم کر سکتا کہ یہ تبدیلی کیونکر پیدا
ہوئی غرض ایک جنبش سی دلوں میں شروع ہو جاتی ہے اور نادان خیال کرتے ہیں کہ یہ جنبش خود
بخود پیدا ہو گئی لیکن درپردہ ایک رسول یا مجدد کے ساتھ یہ انوار نازل ہوتے ہیں چنانچہ
قرآن کریم اور احادیث کی رو سے یہ امر نہایت انکشاف کے ساتھ ثابت ہے جیسا کہ اللہ جلشانہٗ
فرماتا ہے۔ انا انزلنٰہ فی لیلۃ القدر وما ادرٰک ما لیلۃ القدر لیلۃ القدر خیر من الف شھر

تنزل الملائکۃ والروح فیھا باذن ربھم من کل امرٍ سلٰم ھی حتی مطلع الفجر یعنی ہم نے اس کتاب اور اس نبی کو لیلۃ القدر میں اُتارا ہے اور تُو جانتا ہے کہ لیلۃ القدر کیا چیز ہے لیلۃ القدر ہزار مہینہ سے بہتر ہے اس میں فرشتے اور رُوح القدس اپنے رب کے اذن سے اُترتے ہیں اور وہ ہر یک امر میں سلامتی کا وقت ہوتا ہے یہاں تک کہ فجر ہو۔ اب اگرچہ مسلمانوں کے ظاہری عقیدہ کے موافق لیلۃ القدر ایک متبرک رات کا نام ہے مگر جس حقیقت پر خدا تعالےٰ نے مجھ کو مطلع کیا ہے وہ یہ ہے کہ علاوہ ان معنوں کے جو مسلّم قوم ہیں لیلۃ القدر وہ زمانہ بھی ہے جب دُنیا میں ظلمت پھیل جاتی ہے اور ہر طرف تاریکی ہی تاریکی ہوتی ہے تب وہ تاریکی بالطبع تقاضا کرتی ہے کہ آسمان سے کوئی نور نازل ہو۔ سو خدا تعالیٰ اُس وقت اپنے نورانی ملائکہ اور رُوح القدس کو زمین پر نازل کرتا ہے اسی طور کے نزول کے ساتھ جو فرشتوں کی شان کے ساتھ مناسب حال ہے تب رُوح القدس تو اس مجدد اور مصلح سے تعلق پکڑتا ہے جو اجتبا اور اصطفا کی خلعت سے مشرف ہو کر دعوت حق کے لئے مامور ہوتا ہے اور فرشتے ان تمام لوگوں سے تعلق پکڑتے ہیں جو سعید اور رشید اور مستعد ہیں اور ان کو نیکی کی طرف کھینچتے ہیں اور نیک توفیقیں اُن کے سامنے رکھتے ہیں تب دنیا میں سلامتی اور سعادت کی راہیں پھیلتی ہیں اور ایسا ہی ہوتا رہتا ہے جب تک دین اپنے اُس کمال کو پہنچ جائے جو اُس کے لئے مقدر کیا گیا ہے۔

اب دیکھنا چاہیئے کہ خدا تعالےٰ نے اس سورہ مبارکہ میں صاف اور صریح لفظوں میں فرما دیا کہ جب کوئی مصلح خدا تعالےٰ کی طرف سے آتا ہے تو ضرور دلوں کو حرکت دینے والے ملائکہ زمین پر نازل ہوتے ہیں تب ان کے نزول سے ایک حرکت اور تموج دلوں میں نیکی اور راہ حق کی طرف پیدا ہو جاتا ہے پس ایسا خیال کرنا کہ یہ حرکت اور یہ تموج بغیر ظہور مصلح کے خود بخود پیدا ہو جاتا ہے خدا تعالےٰ کی پاک کلام اور اُس کے قدیم قانون قدرت کے مخالف ہے اور ایسے اقوال صرف اُن لوگوں کے مُنہ سے نکلتے ہیں جو الٰہی اسرار سے بے خبر محض اور صرف اپنے بے بنیاد اوہام کے تابع ہیں بلکہ یہ تو آسمانی مصلح کے پیدا ہونے کی علامات خاصہ ہیں

ر اُس آفتاب کے گرد ذرات کی مانند ہیں ہاں اس حقیقت کو دریافت کرنا ہر ایک کا کام نہیں
ں دُنیادار کی دُود آمیز نظر اس نور کو دریافت نہیں کر سکتی دینی صداقتیں اس کی نظر میں ایک
سی کی بات ہے اور معارف الہٰی اس کے خیال میں بیوقوفیاں ہیں۔
اور دوسری آیات جن میں اُس آخری زمانہ کی نشانیاں بتلائی گئی ہیں یعنی وہ آیات
ن میں اول ارضی تاریکی زور کے ساتھ پھیلنے کی خبر دی گئی ہے اور پھر آسمانی روشنی کے نازل
نے کی علامتیں بتائی گئی ہیں وہ یہ ہیں اِذا زلزلت الارض زلزالھا و اخرجت الارض
ثقالھا وقال الانسان مالھا یومئذٍ تحدّث اخبارھا بان ربک اوحیٰ لھا
یعنی آخری زمانہ اس وقت آئے گا کہ جس وقت زمین ایک ہولناک جنبش کے ساتھ جو اُس کی مقدار
ے مناسب حال ہے ہلائی جائے گی یعنی اہل الارض میں ایک تغیرِ عظیم آئے گا اور نفس اور
دنیا پرستی کی طرف لوگ جُھک جائیں گے اور پھر فرمایا کہ زمین اپنے تمام بوجھ نکال ڈالے گی
یعنے زمینی علوم اور زمینی مکر اور زمینی چالاکیاں اور زمینی کمالات جو کچھ انسان کی فطرت میں
مودع ہیں سب کی سب ظہور میں آجائینگی اور نیز زمین جس پر انسان رہتے ہیں اپنے تمام
خواص ظاہر کر دے گی اور علم طبعی اور فلاحت کے ذریعہ سے بہت سی خاصیتیں اس کی معلوم
ہو جائینگی اور کانیں نمودار ہونگی۔ اور کاشتکاری کی کثرت ہو جائے گی۔ غرض زمین
زرخیز ہو جائے گی۔ اور انواع اقسام کی کلیں ایجاد ہوں گی یہاں تک کہ انسان
کہے گا کہ یہ کیا ماجرا ہے اور یہ نئے نئے علوم اور نئے نئے فنون اور نئی نئی صنعتیں
کیونکر ظہور میں آتی جاتی ہیں تب زمین یعنے انسانوں کے دل زبان حال سے اپنے
قصے سنائیں گے کہ یہ نئی باتیں جو ظہور میں آرہی ہیں یہ ہماری طرف سے
نہیں یہ خدا تعالےٰ کی طرف سے ایک قسم کی وحی ہے کیونکہ ممکن نہیں کہ انسان اپنی
کوششوں سے اس قدر علوم عجیبہ پیدا کر سکے۔
اور یاد رہے کہ ان آیات کے ساتھ جو قرآن کریم میں بعض دوسری آیات جو آخرت کے متعلق ہیں شامل کی گئی ہیں وہ در حقیقت اسی سنّت اللہ

کے موافق شامل فرمائی گئی ہیں جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے ورنہ اس میں کچھ
شک نہیں کہ حقیقی اور مقدم معنے ان آیات کے یہی ہیں جو ہم نے بیان کئے اور اسپر قرینہ
جو نہایت قوی اور فیصلہ کرنے والا ہے یہ ہے کہ اگر ان آیات کے حسب ظاہر معنے کئے جائیں تو
ایک فساد عظیم لازم آتا ہے یعنے اگر ہم اس طور سے معنی کریں کہ کسی وقت باوجود قائم رہنے اِس
آبادی کے جو دنیا میں موجود ہے ایسے سخت زلزلے زمین پر آئیں گے جو تمام زمین کے اوپر کا طبقہ
نیچے اور نیچے کا اوپر ہو جائے گا تو یہ بالکل غیر ممکن اور ممتنعات میں سے ہے۔ آیۃ موصوفہ میں صاف
لکھا ہے کہ انسان کہیں گے کہ زمین کو کیا ہو گیا پھر اگر حقیقتاً یہی بات سچ ہے کہ زمین نہایت شدید
زلزلوں کے ساتھ زیر و زبر ہو جائے گی تو انسان کہاں ہو گا جو زمین سے سوال کرے گا وہ تو پہلے ہی
زلزلہ کے ساتھ زاویہ عدم میں مخفی ہو جائے گا علوم حسیہ کا تو کسی طرح انکار نہیں ہو سکتا پس ایسے معنے
کرنا جو بعد اہت باطل اور قرائن موجودہ کے مخالف ہوں گویا اسلام سے ہنسی کرانا۔ اور مخالفین
کو اعتراض کے لئے موقعہ دینا ہے پس واقعی اور حقیقی معنے یہی ہیں جو ابھی ہم نے بیان کئے اب
ظاہر ہے کہ یہ تغیرات اور فتن اور زلازل ہمارے زمانہ میں قوم نصاریٰ سے ہی ظہور میں آئے ہیں
جن کی نظیر دنیا میں کبھی نہیں پائی گئی۔ پس یہ ایک دوسری دلیل اس بات پر ہے کہ یہی قوم وہ آخری
قوم ہے جس کے ہاتھ سے طرح طرح کے فتنوں کا پھیلنا مقدر تھا جس نے دنیا میں طرح طرح کے
ساحرانہ کام دکھلائے۔ اور جیسا کہ لکھا ہے کہ دجال نبوۃ کا دعویٰ کرے گا۔ اور نیز خدائی کا دعوے
بھی اُس سے ظہور میں آئے گا وہ دونوں باتیں اس قوم سے ظہور میں آ گئیں۔ نبوۃ کا دعویٰ اس
طرح پر کہ اس قوم کے پادریوں نے نبیوں کی کتابوں میں بڑی گستاخی سے دخل بیجا کیا اور ایسی
بے باکانہ مداخلت کی کہ گویا وہ آپ ہی نبی ہیں جس طرف چاہا اُن کی عبارات کو پھیر لیا اور اپنے
مدعا کے موافق شرحیں لکھیں اور بے باکی سے ہر یک جگہ مفتریانہ دخل دیا موجود کو چھپایا
اور معدوم کو ظاہر کیا اور دعوے کے ساتھ ایسے محرف طور پر معنے کئے کہ گویا ان پر وحی نازل
ہوئی اور وہ نبی ہیں چنانچہ ہمیشہ دیکھا جاتا ہے کہ وہ مناظرات اور مباحثات کے وقت ایسے بیہودہ اور دل آزار جواب

عمدًا دیتے ہیں کہ گویا وہ ایک نئی انجیل بنا رہے ہیں ایسا ہی ان کی تالیفات بھی کسی نئے عیسیٰ اور نئی انجیل کی طرف رہبری کر رہی ہیں اور وہ جھوٹ بولنے کے وقت ذرہ ڈرتے نہیں اور چالاکی کی راہ سے کروڑہا کتابیں اپنے اس کاذبانہ دعوے کے متعلق بنا ڈالیں گویا وہ دیکھ آئے ہیں کہ حضرت عیسیٰ خدائی کی کرسی پر بیٹھے ہیں اور خدائی کا اس طرح پر دعویٰ کیا کہ خدائی کاموں میں حد سے زیادہ دخل دے دیا۔ اور چاہا کہ زمین و آسمان میں کوئی بھی ایسا بھید مخفی نہ رہے جو وہ اس کی تہ تک نہ پہنچ جائیں اور ارادہ کیا کہ خدا تعالیٰ کے سارے کاموں کو اپنی مٹھی میں لے لیں اور ایسے طور سے خدائی کی کُل اُن کے ہاتھ میں آ جائے کہ اگر ممکن ہو تو سورج کا غروب اور طلوع بھی انہیں کے اختیار میں ہی ہو۔ اور بارش کا ہونا نہ ہونا بھی ان کے اپنے ہاتھ کی کارستانی پر موقوف ہو اور کوئی بات اُن کے آگے اُنھونی نہ رہے اور دعویٰ خدائی اور کیا ہوتا ہے یہی تو ہے اکہ خدائی کاموں میں اور خدا تعالیٰ کی خاص قدرتوں میں ہی دست اندازی کریں اور یہ شوق پیدا ہو کہ کسی طرح اس کی جگہ بھی ہم ہی لے لیں۔ وہ لوگ جو احادیث مسیح موعود اور احادیث متعلقہ دجال پر حرف زنی کرتے ہیں ان کو اس مقام میں بھی غور کرنی چاہیئے کہ اگر یہ پیشگوئیاں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہ ہوتیں اور صرف انسان کا کاروبار ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ ایسی صفائی اور عمدگی سے پُوری ہوتیں کیا یہ بھی کبھی کسی کے گمان میں تھا کہ یہ قوم نصاریٰ کسی زمانہ میں انسان کے خدا بنانے میں اس قدر کوششیں اور جعلسازیاں کریں گے اور فلسفی تحقیقاتوں میں خدا کے لئے کوئی مرتبہ خصوصیت نہیں چھوڑیں گے۔ دیکھو خر دجال جس کے مابین اُذنین کا ستر باع کا فاصلہ لکھا ہے ریلوں کی گاڑیوں سے بطور اغلب اکثر بالکل مطابق آتا ہے اور جیسا کہ قرآن اور حدیث میں آیا ہے کہ اُس زمانہ میں اونٹ کی سواریاں موقوف ہو جائینگی ایسا ہی ہم دیکھتے ہیں کہ ریل کی سواری نے اِن تمام سواریوں کو مات کر دیا اور اب ان کی بہت ہی کم ضرورت باقی رہی ہے اور شائد تھوڑے ہی عرصہ میں اس قدر ضرورت بھی باقی نہ رہے۔ ایسا ہی ہم نے بچشم دیکھا کہ درحقیقت اس قوم کے علماء و حکماء نے دین کے متعلق وہ فتنے ظاہر کئے کہ جنکی نظیر حضرت آدم سے لیکر تا ایں دم

پائی نہیں جاتی۔ پس بلا شبہ نبوت میں بھی انہوں نے مداخلت کی۔ اور خدائی میں بھی۔ اب اس سے زیادہ ان احادیث کی صحت کا کیا ثبوت ہو کہ اُنکی پیشگوئی پوری ہوگئی اور قرآن کریم کی ان آیات میں یعنی اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا میں حقیقت میں اسی دجالی زمانہ کی طرف اشارہ ہے جس کو ذرہ بھی عقل ہو وہ سمجھ سکتا ہے اور یہ آیت صاف بتلا رہی ہے کہ وہ قوم ارضی علوم میں کہاں تک ترقی کرے گی۔

پھر اسی زمانہ کی علامات میں جبکہ ارضی علوم و فنون زمین سے نکالے جائیں گے۔ بعض ایجادات اور صناعات کو بطور نمونہ کے بیان فرمایا ہے اور وہ یہ ہے وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ جبکہ زمین کھینچی جاوے گی یعنے زمین صاف کی جائے گی اور آبادی بڑھ جاوے گی اور جو کچھ زمین میں ہے اس کو زمین باہر ڈال دے گی۔ اور خالی ہو جائے گی یعنے تمام ارضی استعدادیں ظہور و بروز میں آجائینگی جیسا کہ پہلے اس سے ابھی اس کی تفصیل ہو چکی ہے۔ وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ یعنے اُس وقت اُونٹنی بیکار ہو جائے گی اور اُس کا کچھ قدر و منزلت نہیں رہے گا۔ عشار حملدار اونٹنی کو کہتے ہیں جو عربوں کی نگاہ میں بہت عزیز ہے اور ظاہر ہے کہ قیامت سے اس آیت کو کچھ بھی تعلق نہیں کیونکہ قیامت ایسی جگہ نہیں جس میں اونٹ اونٹنی کو ملے اور حمل ٹھہرے بلکہ یہ ریل کے نکلنے کی طرف اشارہ ہے اور حملدار ہونے کی اس لئے قید لگا دی کہ تا یہ قید دُنیا کے واقعہ پر قرینہ قویہ ہو اور آخرت کی طرف ذرہ بھی وہم نہ جائے وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ اور جس وقت کتابیں منتشر کی جائینگی اور پھیلائی جائینگی یعنی اشاعت کتب کے وسائل پیدا ہو جائینگے یہ چھاپے خانوں اور ڈاک خانوں کی طرف اشارہ ہے کہ آخری زمانہ میں ان کی کثرت ہو جائیگی وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ اور جس وقت جانیں باہم ملائی جائینگی۔ یہ تعلقات اقوام اور بلاد کی طرف اشارہ ہے مطلب یہ ہے کہ آخری زمانہ میں بباعث راستوں کے کھلنے اور انتظام ڈاک اور تار برقی کے تعلقات بنی آدم کے بڑھ جائیں گے اور ایک قوم دوسری قوم کو ملے گی اور دُور دُور کے رشتے اور تجارتی اتحاد ہونگے اور بلاد بعیدہ کے دوستانہ تعلقات بڑھ جائینگے وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ اور جس وقت وحشی آدمیوں کے ساتھ اکٹھے کئے جائینگے مطلب یہ ہے کہ وحشی قومیں

تہذیب کی طرف رجوع کرینگی۔ اور اُن میں انسانیت اور تمیز آئے گی اور اراذل دنیوی مراتب اور عزت سے ممتاز ہو جائیں گے اور بباعث دنیوی علوم و فنون پھیلنے کے شریفوں اور رذیلوں میں کچھ فرق نہیں رہے گا۔ بلکہ رذیل غالب آجائینگے یہاں تک کہ کلید دولت اور عنانِ حکومت انکے ہاتھ میں ہوگی۔ اور مضمون اس آیت کا ایک حدیث کے مضمون سے بھی ملتا ہے وَإِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ اور جس وقت دریا چیرے جاویں گے یعنی زمین پر نہریں پھیل جائینگی۔ اور کاشتکاری کثرت سے ہوگی۔ وَإِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ اور جس وقت پہاڑ اُڑائے جائیں گے اور اُن میں سڑکیں پیادوں اور سواروں کے چلنے کی یا ریل کے چلنے کے لئے بنائی جائینگی۔ پھر علاوہ اس کے عام ظلمت کی نشانیاں بیان فرمائیں اور فرمایا إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ جس وقت سورج لپیٹا جاویگا یعنے سخت ظلمت جہالت اور معصیت کی دُنیا پر طاری ہو جائے گی۔ وَإِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ اور جس وقت تارے گدلے ہو جاویں گے یعنے علماء کا نور اخلاص جاتا رہے گا۔ وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ اور جس وقت تارے جھڑ جاویں گے یعنے ربانی علماء فوت ہو جائیں گے کیونکہ یہ تو ممکن ہی نہیں کہ زمین پر تارے گریں اور پھر زمین پر لوگ آباد رہ سکیں۔ یاد رہے کہ مسیح موعود کے آنے کے لئے اسی قسم کی پیشگوئی انجیل میں بھی ہے کہ وہ اُس وقت آئے گا کہ جب زمین پر تارے گر جائینگے اور سورج اور چاند کا نور جاتا رہے گا اور اِن پیشگوئیوں کو ظاہر پر حمل کرنا اس قدر خلافِ قیاس ہے کہ کوئی دانا ہرگز یہ تجویز نہیں کرے گا کہ درحقیقت سُورج کی روشنی جاتی رہے اور ستارے تمام زمین پر گر پڑیں اور پھر زمین بدستور آدمیوں سے آباد ہو اور اُس حالت میں مسیح موعود آوے۔ اور پھر فرمایا إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ جس وقت آسمان پھٹ جاوے۔ ایسا ہی فرمایا إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ اور انجیل میں بھی اسی کے مطابق مسیح موعود کے آنے کی خبر دی ہے۔ مگر ان آیتوں سے یہ مُراد نہیں ہے کہ درحقیقت اُس وقت آسمان پھٹ جائے گا۔ یا اس کی قوتیں سُست ہو جائینگی بلکہ مدعا یہ ہے کہ جیسے پھٹی ہوئی چیز بیکار رہو جاتی ہے ایسا ہی آسمان بھی بیکار سا ہوگا آسمان سے فیوض نازل نہیں ہوں گے اور دنیا ظلمت اور تاریکی سے بھر جائیگی۔ اور پھر ایک جگہ فرمایا

وَإِذَا الرُّسُلُ أُقِّتَتْ اور جب رسول وقت مقرر پر لائے جائیں گے یہ اشارہ درحقیقت مسیح موعود کے آنے کی طرف ہے اور اس بات کا بیان مقصود ہے کہ وہ عین وقت پر آئے گا۔ اور یاد رہے کہ کلام اللہ میں رُسل کا لفظ واحد پر بھی اطلاق پاتا ہے اور غیر رسول پر بھی اطلاق پاتا ہے اور یہ میں کئی دفعہ بیان کر چکا ہوں کہ اکثر قرآن کریم کی آیات کئی وجوہ کی جامع ہیں جیسا کہ یہ احادیث سے ثابت ہے کہ قرآن کے لئے ظہر بھی ہے اور بطن بھی پس اگر رسول قیامت کے میدان میں بھی شہادت کے لئے جمع ہوں تو آمنا و صدقنا۔ لیکن اس مقام میں جو آخری زمانہ کی ابتر علامات بیان فرما کر پھر اخیر پر یہ بھی فرما دیا کہ اس وقت رسول وقت مقرر پر لائے جائینگے تو قرائن بیّنہ صاف طور پر شہادت دے رہے ہیں کہ اُس ظلمت کے کمال کے بعد خدا تعالےٰ کسی اپنے مُرسل کو بھیجے گا تا مختلف قوموں کا فیصلہ ہو۔ اور چونکہ قرآن شریف سے ثابت ہو چکا ہے کہ وہ ظلمت عیسائیوں کیطرف سے ہوگی تو ایسا مامور من اللہ بلاشبہ اُنھیں کی دعوت کے لئے اور انھیں کے فیصلہ کیلئے آئے گا پس اسی مناسبت سے اُس کا نام عیسےٰ رکھا گیا ہے۔ کیونکہ وہ عیسائیوں کے لئے ایسا ہی بھیجا گیا جیسا کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام ان کے لئے بھیجے گئے تھے اور آیت وَإِذَا الرُّسُلُ أُقِّتَتْ میں الف لام عہد خارجی پر دلالت کرتا ہے یعنی وہ مجدد جس کا بھیجنا بزبان رسول کریم معہود ہو چکا ہے وہ اُس عیسائی تاریکی کے وقت میں بھیجا جائے گا۔

جس قدر اب تک ہم آیات قرآن کریم لکھ چکے ہیں اُن سے بخوبی ظاہر ہے کہ ضرور قرآن کریم میں یہ پیشگوئی موجود ہے کہ آخری زمانہ میں دین عیسوی دنیا میں بکثرت پھیل جائے گا اور وہ لوگ ارادہ کرینگے کہ تا دین اسلام کو روئے زمین پر سے مٹا دیں اور جہانتک اُنکے لئے ممکن ہوگا اپنے دین کی بھلائی میں کوئی دقیقہ چھوڑ نہیں رکھیں گے تب خدا تعالےٰ دین اسلام کی نصرت کی طرف متوجہ ہوگا۔ اور اُس فتنہ کے وقت میں دکھلائے گا کہ وہ کیونکر اپنے دین اور اپنے پاک کلام کا محافظ ہے تب اُسکی عادت اور سنّت کے موافق ایک آسمانی روشنی نازل ہوگی اور ہر ایک سعید اُس روشنی کیطرف کھینچا جائے گا یہانتک کہ تمام سعادت کے جگر پارے ایک ہی دین کے جھنڈے کے نیچے آجائینگے۔ خدا تعالےٰ نے صاف لفظوں میں فرما دیا ہے کہ لڑائیوں

ر مباحثات کے شور اُٹھنے کے وقت میں نفخ صور ہو گا تب سعید لوگ ایک ہی مذہب پر جمع کئے
جائینگے۔ اور پھر یہ بھی فرما دیا کہ تاریکی کے وقت میں رسولوں کو بھیجا جائے گا۔ اب اس سے اور کیا
صریح ہوگی کہ اللہ جلشانہٗ نے اول آخری زمانہ کی علامت یاجوج ماجوج کا غلبہ یعنے روس اور
انگریزوں کا تسلط بیان فرمایا پھر دوسری علامت بہت سے فرقے پیدا ہو جانا قرار دیا۔ پھر
تیسری علامت ان فرقوں کا آپس میں مباحثات کرنا۔ اور موج کی طرح ایک دوسرے پر پڑنا
بیان فرمایا۔ پھر چوتھی علامت ریل کا جاری ہونا۔ پھر پانچویں علامت کتابوں اور اخبار کے
شائع ہونے کے ذریعے۔ جیسے چھاپہ خانہ اور تار برقی۔ پھر چھٹی علامت نہروں کا نکلنا۔ اور پھر
ساتویں علامت زمین کی آبادی اور کاشتکاری زیادہ ہو جانا۔ اور پھر آٹھویں علامت
پہاڑوں کا اُڑایا جانا۔ اور پھر نویں علامت تمام علوم وفنون جدیدہ کی ترقی ہونا۔ پھر دسویں
علامت گناہ اور تاریکی کا پھیلنا اور دنیا سے تقویٰ اور طہارت اور ایمانی نور اُٹھ جانا۔ پھر گیارہویں
علامت دابۃ الارض کا ظہور میں آنا یعنے ایسے واعظوں کا بکثرت ہو جانا۔ جن میں آسمانی نور
ایک ذرہ بھی نہیں اور صرف وہ زمین کے کیڑے ہیں اعمال ان کے دجال کے ساتھ
ہیں اور زبانیں ان کی اسلام کے ساتھ۔ یعنی عملی طور پر وہ دجال کے خادم اور
ممسوخ الصورت اور حیوانی شکل ظاہر کر رہے ہیں مگر زبانیں اُن کی انسان کی سی۔ پھر
بارھویں علامت مسیح موعود کا پیدا ہونا ہے جس کو کلام الٰہی میں نفخ صور کے استعارہ
میں بیان کیا گیا ہے۔ اور نفخ حقیقت میں دو قسم پر ہے ایک نفخ اضلال۔ اور ایک نفخ ہدایت
جیسا کہ اس آیت میں اس کی طرف اشارہ ہے ونفخ فی الصور فصعق من فی السمٰوٰت
ومن فی الارض الا من شاء اللہ ثم نفخ فیہ اُخریٰ فاذا ھم قیام ینظرون
یہ آیتیں ذوالوجوہ ہیں۔ قیامت سے بھی تعلق رکھتی ہیں اور اس عالم سے بھی۔ جیسا کہ آیت
اعلموا ان اللہ یحی الارض بعد موتھا۔ اور جیسا کہ فسالت اودیۃ بقدرھا
اور اس عالم کے لحاظ سے ان آیتوں کے یہ معنی ہیں کہ آخری دنوں میں دو زمانے آئیں گے

ایک ضلالت کا زمانہ اور اس زمانہ میں ہر ایک زمینی اور آسمانی یعنے شقی اور سعید پر غفلت طاری ہوگی مگر جس کو خدا محفوظ رکھے۔ اور پھر دوسرا زمانہ ہدایت کا آئے گا پس ناگاہ لوگ کھڑے ہوجائیں گے اور دیکھتے ہونگے یعنے غفلت دُور ہوجائے گی اور دلوں میں معرفت داخل ہو جائے گی۔ اور شقی اپنی شقاوت پر متنبہ ہوجائیں گے گو ایمان نہ لاویں۔

اور علاوہ ان آیات کے قرآن مجید میں اور بھی بہت سی آیات ہیں جو اس آخری زمانہ اور مسیح موعود کے آنے پر دلالت کرتی ہیں۔ لیکن ان معانی مبارکہ کے ماخذ دقیق ہیں اس لئے ہر ایک سطحی خیال کا آدمی اس طرف توجہ نہیں کر سکتا۔ اور موٹی سمجھ ان کو پا نہیں سکتی چنانچہ منجملہ ان کے یہ آیت ہے انا ارسلنا الیکم رسولًا شاھدًا علیکم کما ارسلنا الیٰ فرعون رسولًا۔ اب ظاہر ہے کہ کما کے لفظ سے یہ اشارہ ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مثیل موسیٰ ہیں۔ چنانچہ توریت باب استثنا میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مثیل موسیٰ لکھا ہے اور ظاہر ہے کہ مماثلت سے مُراد مماثلت تامہ ہے نہ کہ مماثلت ناقصہ۔ کیونکہ اگر مماثلت ناقصہ مُراد ہو تو پھر اس صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی خصوصیت باقی نہیں رہتی وجہ یہ کہ ایسی مماثلت والے بہت سے نبی ثابت ہونگے جنہوں نے خدا تعالےٰ کے حکم سے تلوار بھی اُٹھائی اور حضرت موسیٰ کی طرح جنگ بھی کئے اور عجیب طور پر فتحیں بھی حاصل کیں مگر کیا وہ اس پیشگوئی کے مصداق ٹھہر سکتے ہیں۔ ہرگز نہیں غرض ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ جب مماثلت سے مماثلت تامہ مُراد ہو۔ اور مماثلت تامہ کی عظیم الشان جزوں میں سے ایک یہ بھی جُز ہے کہ اللہ جلّشانہٗ نے حضرت موسیٰ کو اپنی رسالت سے مشرف کرکے پھر بطور اکرام و انعام خلافت ظاہری اور باطنی کا ایک لمبا سلسلہ ان کی شریعت میں رکھ دیا۔ جو قریبًا چودہ سو برس تک ممتد ہو کر آخر حضرت عیسٰی علیہ السلام پر اُس کا خاتمہ ہُوا۔ اس عرصہ میں صدہا بادشاہ اور صاحب وحی اور الہام شریعت موسوی میں پیدا ہوئے اور ہمیشہ خدا تعالیٰ شریعت موسوی کے حامیوں کی

یسے عجیب طور پر مدد کرتا رہا جو ایک حیرت انگیز یادگار کے طور پر وہ باتیں صفحات
تاریخ پر محفوظ رہیں جیسا کہ اللہ جلشانہٗ فرماتا ہے وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَ قَفَّيْنَا
مِنْ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ. وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ
الْاِنْجِيْلَ وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً
یعنے ہم نے موسیٰ کو کتاب دی۔ اور بہت سے رُسُل اس کے پیچھے آئے پھر سب کے بعد
عیسٰی ابن مریم کو بھیجا اور اُس کو انجیل دی اور اُس کے تابعین کے دلوں میں رحمت اور شفقت رکھ
دی یعنی وہ تلوار سے نہیں بلکہ اپنی تواضع اور فروتنی اور اخلاق سے دعوت دین کرتے تھے۔ اس
آیت میں اشارہ یہ ہے کہ موسوی شریعت اگرچہ جلالی تھی اور لاکھوں خون اس شریعت کے حکموں
سے ہوئے یہاں تک کہ چار لاکھ کے قریب بچہ شیرخوار بھی مارا گیا۔ لیکن خدا تعالیٰ نے چاہا کہ
اُس سلسلہ کا خاتمہ رحمت پر کرے اور انھیں میں سے ایسی قوم پیدا کرے کہ وہ تلوار سے نہیں
بلکہ علم اور خُلق سے اور محض اپنی قوتِ قدسیہ کے زور سے بنی آدم کو راہ راست پر لاویں۔

اَب چونکہ مماثلت فی الانعامات ہونا ازبس ضروری ہے اور مماثلت تامہ نہیں متحقق
ہو سکتی تھی کہ جب مماثلت فی الانعامات متحقق ہو پس اسی لئے یہ ظہور میں آیا کہ جیسے حضرت
موسیٰ علیہ السلام کو قریباً چودہ سو برس تک ایسے خدام شریعت عطا کئے گئے کہ وہ رسول
اور مُلہم من اللہ تھے اور اختتام اس سلسلہ کا ایک ایسے رسول پر ہوا جس نے تلوار سے
نہیں بلکہ فقط رحمت اور خُلق سے حق کی طرف دعوت کی۔ اسی طرح ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو
بھی وہ خدام شریعت عطا کئے گئے جو برطبق حدیث علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل
ملہم اور محدّث تھے اور جس طرح موسیٰ کی شریعت کے آخری زمانہ میں حضرت مسیح علیہ السلام
بھیجے گئے جنھوں نے نہ تلوار سے بلکہ صرف خُلق اور رحمت سے دعوتِ حق کی۔ اسی طرح خدا تعالیٰ نے اس
شریعت کے لئے مسیح موعود کو بھیجا تا وہ بھی صرف خُلق اور رحمت اور انوار آسمانی سے راہ راست کی دعوت کرے اور
جس طرح حضرت مسیح حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قریباً چودہ سو برس بعد آئے تھے اس مسیح موعود نے بھی چودھویں

صدی کے سر پر ظہور کیا اور محمدی سلسلہ موسوی سلسلہ سے انطباق کلّی پا گیا اور اگر یہ کہا جائے کہ موسوی سلسلہ میں تو حمایت دین کے لئے نبی آتے رہے اور حضرت مسیح بھی نبی تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ مُرسل ہونے میں نبی اور محدّث ایک ہی منصب رکھتے ہیں اور جیسا کہ خدا تعالیٰ نے نبیوں کا نام مُرسل رکھا ایسا ہی محدثین کا نام بھی مُرسل رکھا۔ اسی اشارہ کی غرض سے قرآن شریف میں وقفینا من بعدہٖ بالرُسل آیا ہے اور یہ نہیں آیا کہ قفینا من بعدہٖ بالانبیاء پس یہ اسی بات کی طرف اشارہ ہے کہ رُسل سے مُراد مُرسل ہیں خواہ وہ رسول ہوں یا نبی ہوں یا محدّث ہوں چونکہ ہمارے سیّد و رسول صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور بعد آنحضرت صلعم کوئی نبی نہیں آ سکتا اس لئے اس شریعت میں نبی کے قائم مقام محدّث رکھے گئے اور اسی کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے کہ ثُلَّۃٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ وَثُلَّۃٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ چونکہ ثلّۃ کا لفظ دونوں فقروں میں برابر آیا ہے اس لئے قطعی طور پر یہاں سے ثابت ہوا کہ اس اُمت کے محدّث اپنی تعداد میں اور اپنے طولانی سلسلہ میں موسوی اُمت کے مرسلوں کے برابر ہیں اور درحقیقت اسی کی طرف اس دوسری آیت میں بھی اشارہ ہے اور وہ یہ ہے۔

وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصّٰلحٰت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضٰی لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا یعبدوننی لا یشرکون بی شیئا یعنے خدا نے ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے اور اچھے کام کئے یہ وعدہ کیا ہے کہ البتہ انھیں زمین میں اسی طرح خلیفہ کریگا جیسا کہ ان لوگوں کو کیا جو اُن سے پہلے گذر گئے۔ اور ان کے دین کو جو اُن کے لئے پسند کیا ہے ثابت کر دے گا۔ اور ان کے لئے خوف کے بعد امن کو بدل دے گا۔ میری عبادت کریں گے۔ میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے (الجزو ۱۸ سورۃ نور)

اب غور سے دیکھو کہ اس آیت میں بھی مماثلت کی طرف صریح اشارہ ہے اور اگر اس مماثلت سے مماثلت تامہ مراد نہیں تو کلام عبث ہوا جاتا ہے کیونکہ شریعت موسوی میں چودہ سو برس تک خلافت کا سلسلہ ممتد رہا نہ صرف

تیس برس تک اور صدہا خلیفے رُوحانی اور ظاہری طور پر ہوئے نہ صرف چار۔ اور پھر ہمیشہ کے لئے خاتمہ۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ منکم کا لفظ دلالت کرتا ہے کہ وہ خلیفے صرف صحابہ میں سے ہوں کیونکہ منکم کے لفظ میں مخاطب صرف صحابہ ہیں تو یہ خیال ایک بدیہی غلطی ہے اور ایسی بات صرف اس شخص کے مُنہ سے نکلے گی جس نے کبھی قرآن کریم کو غور سے نہیں پڑھا اور نہ اسکی اسالیب کلام کو پہچانا۔ کیونکہ اگر یہی بات سچ ہے کہ مخاطبت کے وقت وہی لوگ مُراد ہوتے ہیں جو موجودہ زمانہ میں بحیثیت ایمانداری زندہ موجود ہوں تو ایسا تجویز کرنے سے سارا قرآن زیر وزیر ہو جائے گا مثلاً اسی آیت موصوفہ بالا کے مشابہ قرآن کریم میں ایک اور آیت بھی ہے جس میں اسی طرح بظاہر الفاظ وہ لوگ مخاطب ہیں جو حضرت موسیٰ پر ایمان لائے تھے اور اُس وقت زندہ موجود تھے بلکہ ان آیات میں تو اس بات پر نہایت قوی قرائن موجود ہیں کہ درحقیقت وہی مخاطب کئے گئے ہیں اور وہ آیات یہ ہیں۔ قال سنقتل ابناءھم ونستحی نسآءھم وانا فوقھم قاھرون قال موسیٰ لقومہ استعینوا باللہ واصبروا ان الارض للہ یورثھا من یشاء من عبادہ والعاقبۃ للمتقین۔ قالوا اوذینا من قبل ان تاتینا ومن بعد ماجئتنا۔ قال عسیٰ ربکم ان یھلک عدوکم ویستخلفکم فی الارض فینظر کیف تعملون۔ الجزو ۹ سورہ اعراف۔ یعنی فرعون نے کہا کہ ہم بنی اسرائیل کے بیٹوں کو قتل کریں گے۔ اور اُن کی بیٹیوں کو زندہ رکھیں گے اور تحقیقاً ہم اُن پر غالب ہیں تب موسیٰ نے اپنی قوم کو کہا کہ اللہ سے مدد چاہو۔ اور صبر کرو زمین خدا کی ہے جس کو اپنے بندوں سے چاہتا ہے اُس کا وارث بنا دیتا ہے اور انجام بخیر پرہیزگاروں کا ہی ہوتا ہے تب موسیٰ کی قوم نے اُس کو جواب دیا کہ ہم تیرے پہلے بھی ستائے جاتے تھے اور تیرے آنے کے بعد بھی ستائے گئے تو موسیٰ نے اُن کے جواب میں کہا کہ قریب ہے کہ خدا تمہارے دشمن کو ہلاک کردے اور زمین پر تمہیں خلیفے مقرر کردے اور پھر دیکھے کہ تم کس طور کے کام کرتے ہو۔

اب ان آیات میں صریح اور صاف طور پر وہی لوگ مخاطب ہیں جو حضرت موسیٰ کی قوم میں سے

ان کے سامنے زندہ موجود تھے اور انھوں نے فرعون کے ظلموں کا شکوہ بھی کیا تھا اور کہا تھا کہ ہم تیرے پہلے بھی ستائے گئے اور تیرے آنے کے بعد بھی۔ اور انہیں کو خطاب کر کے کہا تھا کہ تم ان تکلیفات پر صبر کرو خدا تمہاری طرف رحمت کے ساتھ متوجہ ہوگا اور تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے گا اور تم کو زمین پر خلیفے بنادے گا۔ لیکن تاریخ دانوں پر ظاہر ہے اور یہودیوں اور نصاریٰ کی کتابوں کو دیکھنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ گو اس قوم کا دشمن یعنی فرعون انکے سامنے ہلاک ہؤا مگر وہ خود تو زمین پر نہ ظاہری خلافت پر پہنچے نہ باطنی خلافت پر۔ بلکہ اکثر ان کی نافرمانیوں سے ہلاک کئے گئے اور چالیس برس تک بیابان لق ودق میں آوارہ رہ کر جان بحق تسلیم ہوئے پھر بعد انکی ہلاکت کے اُن کی اولاد میں ایسا سلسلہ خلافت کا شروع ہؤا کہ بہت سے بادشاہ اس قوم میں ہوئے اور داؤد اور سلیمان جیسے خلیفۃ اللہ اسی قوم میں سے پیدا ہوئے یہاں تک کہ آخر یہ سلسلہ خلافت کا چودہویں صدی میں حضرت مسیح پر ختم ہؤا پس اس سے ظاہر ہے کہ کسی قوم موجودہ کو مخاطب کرنے سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ وہ خطاب قوم موجودہ تک ہی محدود ہے بلکہ قرآن کریم کا تو یہ بھی محاورہ پایا جاتا ہے کہ بسا اوقات ایک قوم کو مخاطب کرتا ہے مگر اصل مخاطب کوئی اور لوگ ہوتے جو گذر گئے یا آئندہ آنے والے ہیں۔ مثلاً اللہ جلشانہٗ سورۃ البقر میں یہود موجودہ کو مخاطب کر کے فرماتا ہے یٰبنی اسرائیل اذکروا نعمتی التی انعمت علیکم واوفوا بعہدی اوف بعہدکم وایای فارھبون۔ یعنے اے بنی اسرائیل اُس نعمت کو یاد کرو جو ہم نے تم پر انعام کی اور میرے عہد کو پورا کرو تا میں بھی تمہارے عہد کو پورا کروں۔ اور مجھ سے پس ڈرو۔ اب ظاہر ہے کہ یہود موجودہ زمانہ آنحضرت نوضربت علیہم الذلۃ کا مصداق تھے اُن پر تو کوئی انعام بھی نہیں ہؤا تھا اور نہ ان سے یہ عہد ہؤا تھا کہ تم نے خاتم الانبیاء پر ایمان لانا پھر بعد اس کے فرمایا۔ وَاِذْ نَجَّیْنٰکُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَکُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَکُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَکُمْ وَفِیْ ذٰلِکُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ عَظِیْمٌ ۔ وَاِذْ فَرَقْنَا بِکُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَیْنٰکُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۔ یعنے وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تم کو آل فرعون سے نجات دی وہ تمکو طرح طرح کے دکھ دیتے تھے

تمہارے لڑکوں کو مار ڈالتے تھے اور تمہاری لڑکیوں کو زندہ رکھتے تھے اور اس میں خدا تعالیٰ کی طرف سے تمہارا بڑا امتحان تھا۔ اور وہ وقت یاد کرو جبکہ ہم نے تمہارے پہنچنے کے ساتھ ہی دریا کو پھاڑ دیا۔ پھر ہم نے تم کو نجات دے دی اور فرعون کے لوگوں کو ہلاک کر دیا اور تم دیکھتے تھے۔

اب سوچنا چاہیئے کہ ان واقعات میں سے کوئی واقعہ بھی ان یہودیوں کو پیش نہیں آیا تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود تھے نہ وہ فرعون کے ہاتھ سے دُکھ دیئے گئے نہ اُن کے بیٹوں کو کسی نے قتل کیا نہ وہ کسی دریا سے پار کئے گئے پھر آگے فرماتا ہے وَإِذْ قُلْتُمْ يٰمُوسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى یعنی وہ وقت یاد کرو جب تم نے موسیٰ کو کہا ہم تیرے کہے پر تو ایمان نہیں لائینگے جب تک خدا کو بچشم خود نہ دیکھ لیں۔ تب تم پر صاعقہ پڑی اور پھر تم کو زندہ کیا گیا تا کہ تم شکر کرو۔ اور ہم نے بادلوں کو تم پر سائبان کیا اور ہم نے تم پر منّ اور سلویٰ اُتارا۔ اب ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ تو اُن یہودیوں سے جو قرآن میں مخاطب کئے گئے دو ہزار برس پہلے فوت ہو چکے تھے اور ان کا حضرت موسیٰ کے زمانہ میں نام و نشان بھی نہ تھا پھر وہ حضرت موسیٰ سے ایسا سوال کیونکر کر سکتے تھے کہاں اُن پہ بجلی گری۔ کہاں انھوں نے منّ وسلویٰ کھایا۔ کیا وہ پہلے حضرت موسیٰ کے زمانہ میں اور اَور قالبوں میں موجود تھے اور پھر آنحضرتؐ کے زمانہ میں بھی بطور تناسخ آموجود ہوئے اور اگر یہ نہیں تو بجز اس تاویل کے اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ مخاطبت کے وقت ضروری نہیں کہ وہی لوگ حقیقی طور پر واقعات منسوبہ کے مصداق ہوں جو مخاطب ہوں کلام الٰہی اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں۔ یہ ایک قاعدہ ٹھہر گیا ہے کہ بسا اوقات کوئی واقعہ ایک شخص یا ایک قوم کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور در اصل وہ واقعہ کسی دوسری قوم یا دوسرے شخص سے تعلق رکھتا ہے اور اسی باب میں سے عیسیٰ ابن مریم کے آنیکی خبر ہے کیونکہ بعض احادیث میں آخری زمانہ میں آنے کا ایک واقعہ حضرت عیسیٰ کیطرف منسوب کیا گیا۔ حالانکہ وہ فوت ہو چکے تھے پس یہ واقعہ بھی حضرت

مسیح کی طرف ایسا ہی منسوب ہے جیسا کہ واقعہ فرعون کے ہاتھ سے نجات پانے کا اور من وسلوٰی کھانے کا۔ اور صاعقہ گرنے کا۔ اور دریا سے پار ہونے کا۔ اور قصہ لَن نصبر علیٰ طعامٍ واحدٍ کا اُن یہودیوں کی طرف منسوب کیا گیا جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں موجود تھے حالانکہ وہ واقعات اُن کی پہلی قوم کے تھے جو ان سے صدہا برس پہلے مرچکے تھے۔ پس اگر کسی کو آیات کے معنے کرنے میں معقولی شق کی طرف خیال نہ ہو اور ظاہر الفاظ پر اڑ جانا واجب سمجھے تو کم سے کم ان آیات سے یہ ثابت ہوگا کہ مسئلہ تناسخ حق ہے ورنہ کیونکہ ممکن تھا کہ خدا تعالیٰ ایک فاعل کے فعل کو کسی ایسے شخص کی طرف منسوب کرے جسکو اس فعل کے ارتکاب سے کچھ بھی تعلق نہیں حالانکہ وہ آپ ہی فرماتا ہے لاتزرُ وازرۃٌ وزرَ اُخریٰ پھر اگر موسیٰ کی قوم نے موسیٰ کی نافرمانی کی تھی اور اُن پر بجلی گری تھی یا انہوں نے گوسالہ پرستی کی تھی اور اُن پر عذاب نازل ہوا تھا تو اس دوسری قوم کو ان واقعات سے کیا تعلق تھا جو دو ہزار برس بعد پیدا ہوئی یُوں تو حضرت آدمؑ سے تا ایندم متقدمین متاخرین کے لئے بطور آباؤ اجداد ہیں لیکن کسی کا گنہ کسی پر عائد نہیں ہو سکتا۔ پھر خدا تعالیٰ کا قرآن کریم میں یہ فرمانا کہ تم نے موسیٰ کی نافرمانی کی اور تم نے کہا کہ ہم خدا کو نہیں مانیں گے جب تک اس کو نہ دیکھ لیں اور اس گنہ کے سبب سے تم پر بجلی گری کیونکر ان تمام الفاظ کے بنظر ظاہر کوئی اور معنے ہو سکتے ہیں بجز اس کے کہ کہا جائے کہ دراصل وہ تمام یہودی جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں موجود تھے حضرت موسیٰ کے وقت میں بھی موجود تھے اور انھیں پر منّ وسلوٰی نازل ہوا تھا اور انھیں پر بجلی پڑی تھی اور انھیں کی خاطر فرعون کو ہلاک کیا گیا تھا اور پھر وہی یہودی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بطور تناسخ پیدا ہوگئے اور اس طرح پر خطاب صحیح ٹھہر گیا مگر سوال یہ ہے کہ کیوں ایسے سیدھے معنے نہیں کئے جاتے۔ کیا یہ خدا تعالیٰ کی قدرت سے دُور ہیں اور کیوں ایسے معنی قبول کئے جاتے ہیں جو تاویلات بعیدہ کے حکم میں ہیں کیا خدا تعالیٰ قادر نہیں کہ جس طرح بقول ہمارے مخالفوں کے وہ حضرت عیسیٰ کو بعینہٖ بجسدہ العنصری کسی وقت صدہا برسوں کے بعد پھر زمین پر لے آئیگا۔ اسی طرح اُس نے حضرت موسیٰ کے زمانہ کے یہودیوں کو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں زندہ کر دیا ہو یا انکی روحوں کو

صورتِ تناسخ پھر دنیا میں لے آیا ہو جس حالت میں صرف بے بنیاد اقوال کی بنا پر حضرت عیسیٰ کی رُوح
پھر دنیا میں آنا تسلیم کیا گیا ہے تو کیوں اور کیا وجہ کہ اُن تمام یہودیوں کی روحوں کا دوبارہ بطور
تناسخ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں آجانا قبول نہ کیا جائے جن کے موجود ہو جانے پر
نصوص صریحہ بیّنہ قرآن کریم شاہد ہیں دیکھو خدا تعالیٰ صاف فرماتا ہے واذ قلتم یموسٰی لن
نؤمن لک حتّٰی نری اللّٰہ جھرۃ فاخذتکم الصاعقۃ وانتم تنظرون یعنی
وہ وقت یاد کرو جبکہ تم نے نہ کسی اَور نے یہ کہا کہ ہم تیرے کہنے پر تو ایمان نہیں لائیں گے جب تک
ہم آپ ظاہر ظاہر خدا کو نہ دیکھ لیں اور پھر تم کو بجلی نے پکڑا۔ اور تم دیکھتے تھے۔ اور اس آیت میں ایک
لطیفہ یہ ہے کہ چونکہ خدا تعالیٰ نے اِس آیت کے مضمون میں موجودہ یہودیوں کو گذشتہ لوگوں
کے قائم مقام نہیں ٹھہرایا بلکہ ان کو فی الحقیقت گذشتہ لوگ ہی ٹھہرا دیا۔ تو اس صورت میں
قرآن کریم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک کے یہودیوں کے وہی نام رکھ دئے جو اُن
گذشتہ بنی اسرائیل کے نام تھے کیونکہ جبکہ یہ لوگ حقیقتاً وہی لوگ قرار دئے گئے تو یہ
لازمی ہوا کہ نام بھی وہی ہوں وجہ یہ کہ نام حقائق کے لئے مثل عوارض غیر منفک کے ہیں
اور عوارض لازمیہ اپنے حقائق سے الگ نہیں ہو سکتے۔ اب خوب متوجہ ہو کر سوچو کہ جبکہ
خدا تعالیٰ نے صریح اور صاف لفظوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے
یہودیوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم نے ہی ایسے ایسے بُرے کام حضرت موسٰی کے عہد
میں کئے تھے تو پھر ایسی صریح اور کھلی کھلی نص کی تاویل کرنا اور احادیث کی بنیاد پر
حضرت عیسٰی علیہ السلام کو جو قرآن کریم کی رُو سے وفات یافتہ ہے پھر زمین پر اُتارنا
کیسی بے اعتدالی اور ناانصافی ہے۔ عزیزو! اگر خدا تعالیٰ کی یہی عادت اور سنت
ہے کہ گزشتہ لوگوں کو پھر دُنیا میں لے آتا ہے تو نص قرآنی جو بہ تکرار در تکرار گذشتہ
لوگوں کو مخاطب کر کے اُن کے زندہ ہونے کی شہادت دے رہی ہے اس سے درگذر کرنا
ہرگز جائز نہیں اور اگر وہاں یہ دھڑکہ دل کو پکڑتا ہے کہ ایسے معنی گو خدا تعالیٰ کی قدرت سے تو بعید نہیں لیکن

معقول کے برخلاف ہیں۔اس لئے تاویل کی طرف رُخ کیا جاتا ہے اور وہ معنی کئے جاتے ہیں جو
عند العقل کچھ بعید نہیں ہیں تو پھر ایسا ہی حضرت عیسیٰ کے آنے کی پیشگوئی کے معنی کرنے چاہیئے کیونکہ
اگر گزشتہ یہودیوں کا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں زندہ ہو جانا یا اگر بطریق تناسخ
کے اُن کی رُوحیں پھر آجانا طریق معقول کے برخلاف ہے تو حضرت مسیح کی نسبت کیونکر دوبارہ دُنیا
میں آنا تجویز کیا جاتا ہے جنکی وفات پر آیت فلمّا توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم
بلند آواز سے شہادت دے رہی ہے کیا یہودیوں کی روحوں کا دوبارہ دنیا میں آنا خدا تعالیٰ کی قدرت
سے بعید اور نیز طریق معقول کے برخلاف۔لیکن حضرت عیسیٰ کا بجسدہ العنصری پھر زمین پر آجانا
بہت معقول ہے پھر اگر نصوص بیّنہ صریحہ قرآنیہ کو بباعث استبعاد ظاہری معنوں کے مؤول
کرکے طریق صرف عن الظاہر اختیار کیا جاتا ہے تو پھر کیا وجہ کہ نصوص احادیثیہ کا صرف عن الظاہر
جائز نہیں کیا احادیث کی قرآن کریم سے کوئی اعلیٰ شان ہے کہ تاہمیشہ احادیث کے بیان کو گو کیسا
ہی بعید از عقل ہو ظاہر الفاظ پر قبول کیا جائے اور قرآن میں تاویلات بھی کی جائیں۔پھر ہم اصل
کلام کی طرف رجوع کرکے لکھتے ہیں کہ بعض صاحب آیت وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم و
عملوا الصّٰلحٰتِ لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم کی
عمومیت سے انکار کرکے کہتے ہیں کہ منکم سے صحابہ ہی مُراد ہیں اور خلافت راشدہ حقہ انھیں
کے زمانہ تک ختم ہو گئی اور پھر قیامت تک اسلام میں اس خلافت کا نام و نشان نہیں ہوگا
گویا ایک خواب و خیال کی طرح اس خلافت کا صرف تیس برس ہی دَور تھا اور پھر ہمیشہ کے لئے
اسلام ایک لازوال نحوست میں پڑ گیا مگر میں پوچھتا ہوں کہ کیا کسی نیکدل انسان کی ایسی رائے
ہو سکتی ہے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی نسبت تو یہ اعتقاد رکھے کہ بلاشبہ انکی شریعت کی برکت
اور خلافت راشدہ کا زمانہ برابر چودہ سو برس تک رہا لیکن وہ نبی جو افضل الرسل اور خیر الانبیاء کہلاتا
ہے اور جسکی شریعت کا دامن قیامت تک ممتد ہے اسکی برکات گویا اس کے زمانہ تک ہی محدود
رہیں اور خدا تعالیٰ نے نہ چاہا کہ کچھ بہت مدت تک اُسکی برکات کے نمونے اُسکے روحانی خلیفوں کے ذریعہ سے ظاہر ہوں ایسی

نوں کو سنکر تو ہمارا بدن کانپ جاتا ہے مگر افسوس کہ وہ لوگ بھی مسلمان ہی کہلاتے ہیں کہ جو سراسر
لاکی اور بے باکی کی راہ سے ایسے بے ادبانہ الفاظ منہ پر لے آتے ہیں کہ گویا اسلام کی برکات آگے
ہیں بلکہ مدت ہوئی کہ اُن کا خاتمہ ہو چکا ہے۔

ماسوا اس کے منکم کے لفظ سے یہ استدلال پیدا کرنا کہ چونکہ خطاب صحابہ سے ہے اس لئے یہ
لافت صحابہ تک ہی محدود ہے عجیب عقلمندی ہے اگر اسی طرح قرآن کی تفسیر ہو تو پھر یہودیوں سے
بھی آگے بڑھ کر قدم رکھنا ہے۔ اب واضح ہو کہ منکم کا لفظ قرآن کریم میں قریباً بیاسی جگہ آیا ہے
اور بجز دو یا تین جگہ کے جہاں کوئی خاص قرینہ قائم کیا گیا ہے باقی تمام مواضع میں منکم کے خطاب
سے وہ تمام مسلمان مراد ہیں جو قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے۔

اب نمونہ کے طور پر چند وہ آیتیں ہم لکھتے ہیں جن میں منکم کا لفظ پایا جاتا ہے۔

(۱) فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ یعنی جو تم میں سے مریض
یا سفر پر ہو تو اتنے ہی روزے اور رکھ لے۔ اب یہ سوچو کہ کیا یہ حکم صحابہ ہی سے خاص تھا یا اس
میں اور مسلمان جو قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے شامل ہیں ایسا ہی نیچے کی آیتوں پر بھی غور کرو۔

(۲) ذٰلک یوعظ بہ من کان منکم یؤمن باللہ والیوم الاٰخر یعنی یہ اس کو
وعظ کیا جاتا ہے جو تم میں سے اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لاتا ہے۔

(۳) والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجًا۔ یعنی تم میں سے جو جورُوئیں چھوڑ کر فوت ہو
جائیں۔

(۴) ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر
یعنی تم میں سے ایسے لوگ ہونے چاہئیں جو نیکی کی دعوت کریں اور امر معروف اور نہی منکر اپنا طریق رکھیں۔

(۵) انی لا اضیع عمل عامل منکم من ذکر او انثی۔ میں تم میں سے کسی عامل کا عمل
ضائع نہیں کروں گا۔ خواہ وہ مرد ہو خواہ عورت ہو۔

(۶) لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃً عن تراضٍ منکم نا جائز طور

پر ایک دوسرے کے مال مت کھاؤ۔ مگر باہم رضامندی کی تجارت سے۔

(۷) وان کنتم مرضیٰ اوعلیٰ سفر اوجاء احد منکم من الغائط اولامستم النساء فلم تجدوا ماءً فتیمّموا صعیدا طیّبًا۔ یعنے اگر تم مریض ہو یا سفر پر یا پاخانہ سے آؤ۔ یا عورتوں سے مباشرت کرو۔ اور پانی نہ ملے تو ان سب صورتوں میں پاک مٹی سے تیمم کرو۔

(۸) اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم۔ یعنے اللہ اور رسول اور اپنے بادشاہوں کی تابعداری کرو۔

(۹) من عمل منکم سوءً بجھالۃ ثم تاب من بعدہٖ واصلح فانہٗ غفور رحیم۔ یعنی جو شخص تم میں سے بوجہ اپنی جہالت کے کوئی بدی کرے اور پھر توبہ کرے اور نیک کاموں میں مشغول ہو جائے پس اللہ غفور رحیم ہے۔

(۱۰) فما جزاء من یفعل ذٰلک منکم الاخزی فی الحیٰوۃ الدنیا ویوم القیٰمۃ یردّون الی اشد العذاب یعنی جو شخص تم میں سے ایسا کام کرے دنیا کی زندگی میں اس کو رُسوائی ہوگی۔ اور قیامت کو اس کے لئے سخت عذاب ہے۔

(۱۱) وان منکم الا واردھا یعنے تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو دوزخ میں وارد نہ ہو۔

(۱۲) ولقد علمنا المستقدمین منکم ولقد علمنا المستاخرین یعنے ہم ان لوگوں کو جانتے ہیں جو تم میں سے آگے بڑھنے والے ہیں اور جو پیچھے رہنے والے ہیں۔

اب ان تمام مقامات کو دیکھو کہ منکم کا لفظ تمام مسلمانوں کے لئے عام ہے خواہ اس وقت موجود تھے خواہ بعد میں قیامت تک آتے جائیں ایسا ہی تمام دوسرے مقامات میں بجز دو تین موضعوں کے عام طور پر استعمال ہوا ہے اور تمام احکام میں بظاہر صورت مخاطب صحابہ ہی ہیں لیکن تخصیص صحابہ بجز قیام قرینہ کے جائز نہیں ورنہ ہر یک فاسق عذر کر سکتا ہے کہ صوم اور صلوٰۃ اور حج اور تقویٰ اور طہارت

اور اجتناب عن المعاصی کے متعلق جس قدر احکام ہیں ان احکام کے مخاطب صرف صحابہ ہی نہ تھے اس لئے ہمیں نماز۔ روزہ وغیرہ کی پابندی لازم نہیں اور ظاہر ہے کہ ایسے کلمات بجز ایک زندیق کے اور کوئی خدا ترس آدمی زبان پر نہیں لا سکتا۔

اگر کسی کے دل میں خیال گذرے کہ اگر آیت وعد اللہ الذین اٰمنوا فائدہ عموم کا دیتی ہے یعنی مقصود اصلی تعمیم تھی نہ تخصیص۔ تو پھر منکم کا لفظ اس جگہ کیوں زیادہ کیا گیا۔ اور اس کی زیادت کی ضرورت ہی کیا تھی صرف اس قدر فرمایا ہوتا کہ وعد اللہ الذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت لیستخلفنہم فی الارض کما استخلف الذین من قبلہم تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ وعدہ ان ایمانداروں اور نیکوکاروں کے مقابل پر تھا جو اس امت سے پہلے گذر چکے ہیں پس گویا تفصیل اس آیت کی یوں ہے کہ خدا تعالیٰ نے تم سے پہلے اُن لوگوں کو روئے زمین پر خلیفے مقرر کیا تھا جو ایماندار اور صالح تھے اور اپنے ایمان کے ساتھ اعمال صالح جمع رکھتے تھے۔ اور خدا تعالیٰ وعدہ کرتا ہے کہ تم میں سے بھی اے مسلمانو ایسے لوگوں کو جو انہیں صفات حسنہ سے موصوف ہوں اور ایمان کے ساتھ اعمال صالح جمع رکھتے ہوں خلیفے کرے گا۔ پس منکم کا لفظ زائد نہیں بلکہ اس سے غرض یہ ہے کہ تا اسلام کے ایمانداروں اور نیکوکاروں کی طرف اشارہ کرے کیونکہ جبکہ نیکوکار اور ایماندار کا لفظ اس آیت میں پہلی امتوں اور اس امت کے ایمانداروں اور نیکوکاروں پر برابر حاوی تھا۔ پھر اگر کوئی تخصیص کا لفظ نہ ہوتا تو عبارت رکیک اور مبہم اور دُور از فصاحت ہوتی اور منکم کے لفظ سے یہ جتانا بھی منظور ہے کہ پہلے بھی وہی لوگ خلیفے مقرر کئے گئے تھے کہ جو ایماندار اور نیکوکار تھے۔ اور تم میں سے بھی ایماندار اور نیکوکار ہی مقرر کئے جائینگے اب اگر آنکھیں دیکھنے کی ہوں تو عام معنی کی رُو سے منکم کے لفظ کا زائد ہونا کہاں لازم آتا ہے اور رکیک کلام کیونکر ہے جبکہ ایمان اور عمل صالح اسی امت سے شروع نہیں ہوا پہلے بھی مومن اور نیکوکار گذرے ہیں تو اس صورت میں تمیز کامل بجز منکم کے لفظ کے کیونکر ہو سکتی تھی اگر صرف اس قدر ہوتا کہ وعد اللہ الذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت تو کچھ معلوم نہ ہو سکتا تھا کہ یہ کن ایمانداروں کا ذکر ہے آیا اس امت کے ایماندار

یا گذشتہ اُمتوں کے اور اگر صرف منکم ہوتا۔ اور الذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت نہ ہوتا تو یہ سمجھا جاتا کہ فاسق اور بدکار لوگ بھی خدا تعالےٰ کے خلیفے ہوسکتے ہیں حالانکہ فاسقوں کی بادشاہت اور حکومت بطور ابتلا کے ہے نہ بطور اصطفا کے۔ اور خدا تعالیٰ کے حقانی خلیفے خواہ وہ روحانی خلیفے ہوں یا ظاہری وہی لوگ ہیں جو متقی اور ایماندار اور نیکوکار ہیں۔

اور یہ وہم کہ عام معنوں کی رُو سے ان آیات کی آخیر کی آیت یعنی ومن کفر بعد ذٰلک فاولٰئک ھم الفاسقون بالکل بے معنی ٹھہر جاتی ہے ایسا بیہودہ خیال ہے جو اس پر ہنسی آتی ہے کیونکہ آیت کے صاف اور سیدھے یہ معنی ہیں کہ اللہ جلشانہٗ خلیفوں کے پیدا ہونے کی خوشخبری دیکر پھر باغیوں اور نافرمانوں کو دھمکی دیتا ہے کہ بعد خلیفوں کے پیدا ہونے کے جب وہ وقتاً فوقتاً پیدا ہوں اگر کوئی بغاوت اختیار کرے اور اُن کی اطاعت اور بیعت سے مُنہ پھیرے تو وہ فاسق ہے۔ اب نادرستی معنوں کی کہاں ہے اور واضح ہو کہ اس آیت کریمہ سے وہ حدیث مطابق ہے۔ جو پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ من لم یعرف امام زمانہ فقد مات میتۃ الجاھلیۃ جس شخص نے اپنے زمانہ کے امام کو شناخت نہ کیا وہ جاہلیت کی موت مرگیا۔ یعنے جیسے جیسے ہر یک زمانہ میں امام پیدا ہونگے اور جو لوگ اُن کو شناخت نہیں کرینگے تو ان کی موت کفار کی موت کے مشابہ ہوگی۔ اور معترض صاحب کا اس آیت کو پیش کرنا کہ قال اللہ انی منزلھا علیکم فمن یکفر بعد منکم فانی اعذّبہ عذابًا لا اُعذّبہ احدًا من العالمین اور اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ منکم کا لفظ اس جگہ خصوصیت کے ساتھ حاضرین کے حق میں آیا ہے ایک بے فائدہ بات ہے کیونکہ ہم لکھ چکے ہیں کہ قرآن کریم کا عام محاورہ جس سے تمام قرآن بھرا پڑا ہے یہی ہے کہ خطاب عام ہوتا ہے اور احکام خطابیہ تمام اُمت کے لئے ہوتے ہیں نہ صرف صحابہ کے لئے۔ ہاں جس جگہ کوئی صریح اور صاف قرینہ تحدید خطاب کا ہو وہ جگہ مستثنٰی ہے۔ چنانچہ آیت موصوفہ بالا میں خاص حواریوں کے ایک طائفہ نے نزول مائدہ کی درخواست کی اُسی طائفہ کو مخاطب کرکے جواب ملا۔ سو یہ قرینہ کافی ہے کہ

سوال بھی اسی طائفہ کا تھا اور جواب بھی اسی کو ملا۔ اور یہ کہنا کہ اس کی مثالیں کثرت سے قرآن
میں ہیں بالکل جھوٹ اور دھوکہ دینا ہے۔ قرآن میں بیاسی کے قریب لفظ منکم ہے اور چھبیس
کے قریب اور اور صورتوں میں خطاب ہے لیکن تمام خطابات احکامیہ وغیرہ میں تعمیم ہے
اگر قرآن کے خطابات صحابہ تک ہی محدود ہوتے تو صحابہ کے فوت ہو جانے کے ساتھ قرآن
باطل ہو جاتا۔ اور آیت متنازعہ فیہا جو خلافت کے متعلق ہے درحقیقت اس آیت سے مشابہ
ہے۔ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ کیا یہ بشریٰ صحابہ سے ہی خاص تھا یا کسی اور کو
بھی اس سے حصہ ہے۔ اور معترض کا یہ کہنا کہ جو شخص اصلی معنوں سے جو خصوصیت مخاطبین ہے
عدول کر کے اُس کے معنی عموم لیوے اُس کا ذمہ ہے کہ وہ دلیل یقینی سے اپنے عدول کو ثابت کرے
اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ نہ صرف معترض کو قرآن کریم سے بلکہ تمام الٰہی کتابوں کے اسلوب
کلام سے کچھ بھی خبر نہیں۔ مشکل یہ ہے کہ اکثر شتاب کار لوگ قبل اِسکے جو پورے طور پر خوض کریں
اعتراض کرنے کو طیار ہو جاتے ہیں۔ اگر معترض صاحب کو صحیح نیت سے تحقیق کا شوق تھا تو وہ تمام
ایسے موقعہ جہاں بظاہر نظر صحابہ مخاطب ہیں جمع کر کے دیکھتے کہ اکثر اغلب اور بلا قیام قرینہ قرآن شریف
میں کیا محاورہ ہے کیونکہ یہ صاف ظاہر ہے کہ جو اکثر اغلب محاورہ ثابت ہو گا اسی کے موافق اصلی معنی
ٹھہریں گے اور ان سے عدول کرنا بغیر قیام قرینہ جائز نہیں ہوگا۔ اب ظاہر ہو کہ اصل محاورہ قرآن کریم
کا خطاب حاضرین میں عموم ہے۔ اور قرآن کریم کا چھ سو حکم اسی بنا پر عام سمجھا جاتا ہے نہ یہ کہ صحابہ تک
محدود سمجھا جائے۔ پھر جو شخص عام محاورہ سے عدول کر کے کسی حکم کو صحابہ تک ہی محدود رکھے اُس کے ذمہ یہ
بار ثبوت ہوگا کہ قرائن قویہ سے یہ ثابت کرے کہ یہ خطاب صحابہ سے ہی خاص ہے اور دوسرے لوگ اس سے
باہر ہیں مثلاً اللہ جلشانہٗ قرآن کریم میں بظاہر صحابہ کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ تم صرف خدا کی بندگی
کرو۔ اور صبر اور صلوٰۃ کے ساتھ مدد چاہو۔ اور پاک چیزوں میں سے کھاؤ۔ اور کسی قسم کا فساد
مت کرو۔ اور تم زکوٰۃ اور نماز کو قائم کرو۔ اور مقام ابراہیم سے جائے نماز ٹھہراؤ اور
خیرات میں ایک دوسرے سے سبقت کرو۔ اور مجھ کو یاد کرو۔ میں تم کو یاد کروں گا۔ اور میرا

شکر[10] کرو۔ اور مجھ[11] سے دُعا مانگو۔ اور جو لوگ[12] خدا کی راہ میں شہید ہوں اُن کو مُردے مت کہو اور جو تم کو سلام[13] علیکم کرے اُس کا نام کافر اور بے ایمان نہ رکھو۔ پاک[14] چیزیں زمین کی پیداوار میں سے کھاؤ اور شیطان کی پیروی[15] نہ کرو۔ تم پر روزے[16] فرض کئے گئے ہیں مگر جو تم میں سے بیمار یا سفر پر ہو وہ اتنے روزے[17] پھر رکھے۔ تم ایک دوسرے کے مال[18] کو ناحق کے طور پر مت کھاؤ۔ اور تم تقوے[19] اختیار کرو تا فلاح پاؤ۔ اور تم خدا کی راہ[20] میں اُن سے جو تم سے لڑیں لڑو۔ لیکن حد سے مت[21] بڑھو اور کوئی زیادتی مت[22] کرو کہ خدا زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ اور تم خدا[23] کی راہ میں خرچ کرو۔ اور دانستہ[24] اپنے تئیں ہلاکت میں مت ڈالو۔ اور لوگوں[25] سے احسان کرو کہ خدا محسنین کو دوست رکھتا ہے۔ اور حج[26] اور عمرہ کو اللہ کے واسطے پورا کرو۔ اور اپنے پاس توشہ[27] رکھو کہ توشہ میں یہ فائدہ ہے کہ تم کسی دوسرے سے سوال نہیں کرو گے یعنی سوال ایک ذلت ہے اس سے بچنے کے لئے تدبیر کرنی چاہیئے۔ اور تم صلح[28] اور اسلام میں داخل ہو۔ اور مشرکات[29] سے نکاح مت کرو۔ جب تک ایمان نہ لاویں۔ اور مشرکین[30] سے اے عورتو تم نکاح مت کرو۔ جب تک ایمان نہ لاویں اور اپنے[31] نفسوں کے لئے کچھ آگے بھیجو۔ اور خدا[32] تعالیٰ کو اپنی قسموں کا عُرضہ مت بناؤ۔ اور عورتوں[33] کو دُکھ دینے کی غرض سے بند مت رکھو۔ اور جو لوگ تم[34] میں سے فوت ہو جائیں اور جورُوئیں رہ جائیں تو وہ چار مہینے اور دس دن نکاح کرنے سے رُکی رہیں۔ اگر تم طلاق[35] دو تو عورتوں کو احسان کے ساتھ رخصت کرو۔ اگر تمہیں خوف[36] ہو تو نمازیں پیروں سے چلتے چلتے یا سوار ہونے کی حالت میں پڑھ لو۔ اگر اپنے صدقات[37] لوگوں کو دکھلا کے دو تو یہ عموماً اچھی بات ہے کہ تا لوگ تمہارے نیک کاموں کی پیروی کریں اور اگر چھپا کر محتاجوں کو دو تو یہ تمہارے نفسوں کے لئے بہتر ہے۔ جب[38] تم کسی کو قرضہ دو تو ایک نوشت لکھا لو اور قرض[39] ادا کرنے میں خدا سے ڈرو۔ اور کچھ باقی مت رکھو اور جب[40] تم کوئی خرید و فروخت کرو تو اُس پر گواہ رکھ لو۔ اور اگر تم سفر[41] میں ہو اور کوئی کاتب نہ ملے تو کوئی جائداد قبضہ میں کر لو تم سب[42] مل کر خدا کی رسی سے پنجہ مارو۔ اور باہم پھوٹ مت ڈالو تم میں سے[43] ایسے بھی ہونے چاہئیں کہ جو امر معروف اور نہی منکر کریں۔ تم خدا[44] کی مغفرت کی طرف دوڑو

اگر تم میں سے کسی کی بیوی فوت ہو جاوے تو وہ اس کی جائداد میں سے نصف کا مالک ہے بشرطیکہ
کچھ اولاد نہ ہو۔ اور اگر اولاد ہو تو پھر اُس کو چہارم حصّہ جائداد بعد عمل بر وصیت پہنچے گا۔

یہ چند احکام بطور نمونہ ہم نے لکھے ہیں اس میں ایک تھوڑی سی عقل کا آدمی بھی سوچ سکتا
کہ بظاہر یہ تمام خطاب صحابہ کی طرف ہے لیکن در حقیقت تمام مسلمان ان احکام پر عمل
نے کے لئے مامور ہیں نہ یہ کہ صرف صحابہ مامور ہیں و بس۔ غرض قرآن کا اصلی اور حقیقی اسلوب
س سے سارا قرآن بھرا پڑا ہے یہ ہے کہ اس کے خطاب کے مورد حقیقی اور واقعی طور پر تمام
سلمان ہیں جو قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے گو بظاہر صورت خطاب صحابہ کی طرف
جع معلوم ہوتا ہے پس جو شخص یہ دعوٰی کرے کہ یہ وعدہ یا وعید صحابہ تک ہی محدود ہے وہ
آن کے عام محاورہ سے عدول کرتا ہے اور جب تک پورا ثبوت اس دعوے کا پیش نہ کرے
تک وہ ایسے طریق کے اختیار کرنے میں ایک ملحد ہے کیا قرآن صرف صحابہ کے واسطے ہی نازل
ا تھا۔ اگر قرآن کے وعد اور وعید اور تمام احکام صحابہ تک ہی محدود ہیں تو گویا جو بعد میں پیدا
ئے وہ قرآن سے بکلی بے تعلق ہیں۔ نعوذ باللہ من ہذہ الخرافات۔

اور یہ کہنا کہ حدیث میں آیا ہے کہ خلافت تیس سال تک ہوگی عجیب فہم ہے جس حالت میں قرآن کریم
بیان فرماتا ہے کہ ثلّۃ من الاوّلین وثلّۃ من الاٰخرین تو پھر اس کے مقابل پر کوئی حدیث
یش کرنا۔ اور اس کے معنی مخالف قرآن قرار دینا معلوم نہیں کہ کس قسم کی سمجھ ہے اگر حدیث کے بیان
ا اعتبار ہے تو پہلے اُن حدیثوں پر عمل کرنا چاہیئے جو صحت اور وثوق میں اس حدیث پر کئی درجہ بڑھی
ہوئی ہیں مثلاً صحیح بخاری کی وہ حدیثیں جن میں آخری زمانہ میں بعض خلیفوں کی نسبت خبر دی گئی
ہے خاص کر وہ خلیفہ جسکی نسبت بخاری میں لکھا ہے کہ آسمان سے اس کے لئے آواز آئے گی کہ
ہٰذا خلیفۃ اللہ المہدی۔ اب سوچو کہ یہ حدیث کس پایہ اور مرتبہ کی ہے جو ایسی کتاب میں درج ہے
جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے لیکن وہ حدیث جو معترض صاحب نے پیش کی ہے علماء کو
اُس میں کئی طرح کا جرح ہے اور اس کی صحت میں کلام ہے کیا معترض نے غور نہیں کی کہ جو آخری زمانہ کی نسبت

بعض خلیفوں کے ظہور کی خبریں دی گئی ہیں کہ حارث آئے گا۔ مہدی آئے گا
آسمانی خلیفہ آئے گا یہ خبریں حدیثوں میں ہیں یا کسی اور کتاب میں۔ احادیث سے یہ ثابت ہے کہ
تین ہیں۔ اوّل خلافت راشدہ کا زمانہ۔ پھر فیج اعوج جس میں ملک عضوض ہونگے اور بعد اس کے
آخری زمانہ جو زمانہ نبوت کے نہج پر ہوگا یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری
امت کا اوّل زمانہ۔ اور پھر آخری زمانہ باہم بہت ہی متشابہ ہیں۔ اور یہ دونوں زمانے اس بارش
کی طرح ہیں جو ایسی خیر و برکت سے بھری ہوئی ہو کہ کچھ معلوم نہیں کہ برکت اس کے پہلے حصہ میں
زیادہ ہے یا پچھلے میں۔

اِس جگہ یہ بھی واضح رہے کہ اللہ جلشانہٗ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ انا نحن نزلنا الذکر
وانا لہٗ لحافظون یعنی ہم نے ہی اس کتاب کو اُتارا اور ہم ہی اس تنزیل کی محافظت کریں گے
اس میں اس بات کی تصریح ہے کہ یہ کلام ہمیشہ زندہ رہے گا اور اس کی تعلیم کو تازہ رکھنے والے اور
اس کا نفع لوگوں کو پہنچانے والے ہمیشہ پیدا ہوتے رہیں گے اور اگر یہ سوال ہو کہ قرآن کے وجود
کا فائدہ کیا ہے جس فائدہ کے وجود پر اُس کی حقیقی حفاظت موقوف ہے تو اس دوسری آیت
سے ظاہر ہے ھوالذی بعث فی الامّیین رسولاً منھم یتلوا علیھم اٰیٰتہٖ و
یزکّیھم ویعلّمھم الکتٰب والحکمۃ۔ اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کے
بڑے فائدے دو ہیں جن کے پہنچانے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آئے تھے۔

ایک حکمت فرقان یعنی معارف و دقائق قرآن۔ دوسری تاثیر قرآن جو موجب تزکیہ نفوس ہے
اور قرآن کی حفاظت صرف اسی قدر نہیں جو اس کے صحف مکتوبہ کو خوب نگہبانی سے رکھیں کیونکہ ایسے
کام تو اوائل حال میں یہود اور نصاریٰ نے بھی کئے یہاں تک کہ توریت کے نقطے بھی گن رکھے
تھے۔ بلکہ اس جگہ مع حفاظت ظاہری حفاظت فوائد و تاثیرات قرآنی مراد ہے اور وہ موافق سنت اللہ
کے تبھی ہو سکتی ہے کہ جب وقتاً فوقتاً نائب رسول آدیں جن میں ظلّی طور پر رسالت کی تمام نعمتیں موجود
ہوں اور جن کو وہ تمام برکات دیگئی ہوں جو نبیوں کو دی جاتی ہیں جیسا کہ ان آیات میں اسی امر عظیم کیطرف اشارہ ہے

ر وہ یہ ہے وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم و عملوا الصّٰلحت لیستخلفنھم
الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی
ھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا یعبدوننی لا یشرکون بی شیئا
من کفر بعد ذٰلک فاولئک ھم الفاسقون۔

پس یہ آیت درحقیقت اس دوسری آیت انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون
ے لئے بطور تفسیر کے واقعہ ہے اور اس سوال کا جواب دے رہی ہے کہ حفاظت قرآن کیونکر اور
س طور سے ہوگی۔ سو خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اسی نبی کریم کے خلیفے وقتاً فوقتاً بھیجتا رہوں گا
ور خلیفہ کے لفظ کو اس اشارہ کے لئے اختیار کیا گیا کہ وہ نبی کے جانشین ہونگے اور اُس کی
کتوں میں سے حصہ پائیںگے جیسا کہ پہلے زمانوں میں ہوتا رہا اور ان کے ہاتھ سے برجائی
ین کی ہوگی اور خوف کے بعد امن پیدا ہوگا یعنے ایسے وقتوں میں آئینگے کہ جب اسلام
تفرقہ میں پڑا ہوگا۔ پھر ان کے آنے کے بعد جو ان سے سرکش رہے گا وہی لوگ بدکار اور فاسق
یں۔ یہ اس بات کا جواب ہے کہ بعض جاہل کہا کرتے ہیں کہ کیا ہم پر اولیاء کا ماننا فرض ہے۔ سو
للہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بیشک فرض ہے اور ان سے مخالفت کرنیوالے فاسق ہیں اگر مخالفت پر ہی مریں۔

اس جگہ معترض صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ الیوم اکملت لکم
دینکم و اتممت علیکم نعمتی اور پھر اعتراض کیا ہے کہ جبکہ دین کمال کو پہنچ چکا ہے
ور نعمت پوری ہو چکی تو پھر نہ کسی مجدد کی ضرورت ہے نہ کسی نبی کی۔ مگر افسوس کہ معترض نے ایسا
خیال کر کے خود قرآن کریم پر اعتراض کیا ہے کیونکہ قرآن کریم نے اس اُمت میں خلیفوں کے
پیدا ہونے کا وعدہ کیا ہے جیسا کہ ابھی گذر چکا ہے اور فرمایا ہے کہ اُن کے وقتوں میں
دین استحکام پکڑے گا اور تزلزل اور تذبذب دُور ہوگا۔ اور خوف کے بعد امن پیدا
ہوگا۔ پھر اگر تکمیل دین کے بعد کوئی بھی کارروائی درست نہیں تو بقول معترض کے
چوبیس سال کی خلافت ہے وہ بھی باطل ٹھہرتی ہے کیونکہ جب دین کامل ہو چکا تو پھر کسی دوسرے کی ضرورت

نہیں۔ لیکن افسوس کہ معترض بے خبر نے ناحق آیت الیوم اکملت لکم دینکم
پیش کر دیا ہم کب کہتے ہیں کہ مجدّد اور محدث دنیا میں آکر دین میں سے کچھ کم کرتے ہیں یا زیادہ
ہیں بلکہ ہمارا تو یہ قول ہے کہ ایک زمانہ گذرنے کے بعد جب پاک تعلیم پر خیالات فاسدہ کا ایک
غبار پڑ جاتا ہے اور حق خالص کا چہرہ چھپ جاتا ہے تب اس خوبصورت چہرہ کو دکھلانیکے
مجدّد اور محدث اور رُوحانی خلیفے آتے ہیں نہ معلوم کہ بیچارہ معترض نے کہاں سے اور کس سے
لیا کہ مجدّد اور روحانی خلیفے دُنیا میں آکر دین کی کچھ ترمیم و تنسیخ کرتے ہیں۔ نہیں وہ دین کو منسوخ
کرنے نہیں آتے بلکہ دین کی چمک اور روشنی دکھانے کو آتے ہیں اور معترض کا یہ خیال کہ ان کی
ضرورت ہی کیا ہے صرف اس وجہ سے پیدا ہوا ہے کہ معترض کو اپنے دین کی پروا نہیں اور
کبھی اس نے غور نہیں کی کہ اسلام کیا چیز ہے اور اسلام کی ترقی کس کو کہتے ہیں اور حقیقی ترقی
کیونکر اور کن راہوں سے ہو سکتی ہے اور کس حالت میں کسی کو کہا جاتا ہے کہ وہ حقیقی طور پر
مسلمان ہے یہی وجہ ہے کہ معترض صاحب اس بات کو کافی سمجھتے ہیں کہ قرآن موجود ہے اور علماء موجود
ہیں اور خود بخود اکثر لوگوں کے دلوں کو اسلام کیطرف حرکت ہے پھر کسی مجدّد کی کیا ضرورت ہے لیکن
افسوس کہ معترض کو یہ سمجھ نہیں کہ مجدّدوں اور رُوحانی خلیفوں کی اس امت میں ایسے ہی طور
سے ضرورت ہے جیسا کہ قدیم سے انبیاء کی ضرورت پیش آتی رہی ہے اس سے کسی کو انکار نہیں ہو
سکتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نبی مرسل تھے اور اُن کی توریت بنی اسرائیل کی تعلیم کے لئے کامل
تھی اور جس طرح قرآن کریم میں آیت الیوم اکملت لکم ہے اسی طرح توریت میں بھی آیات
ہیں جن کا مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل کو ایک کامل اور جلالی کتاب دی گئی ہے جس کا نام توریت ہے
چنانچہ قرآن کریم میں بھی توریت کی یہی تعریف ہے لیکن باوجود اس کے بعد توریت کے صدہا ایسے نبی
بنی اسرائیل میں سے آئے کہ کوئی نئی کتاب اُن کے ساتھ نہیں تھی بلکہ اُن انبیاء کے ظہور کے مطالب یہ ہوتے
تھے کہ تا اُن کے موجودہ زمانہ میں جو لوگ تعلیم توریت سے دُور پڑ گئے ہوں پھر اُنکو توریت کے اصلی منشاء کیطرف کھینچیں
اور جن کے دلوں میں کچھ شکوک اور دہریت اور بے ایمانی ہو گئی ہو ان کو پھر زندہ ایمان بخشیں چنانچہ

اللہ جلشانہ خود قرآن کریم میں فرماتا ولقد اٰتینا موسیٰ الکتٰب وقفینا من بعدہ بالرسل یعنے موسیٰ کو ہم نے توریت دی اور پھر اس کتاب کے بعد ہم نے کئی پیغمبر بھیجے تا توریت کی تعلیم کی تائید اور تصدیق کریں۔ اسی طرح دوسری جگہ فرماتا ہے ثم ارسلنا رسلنا تترا یعنے پھر پیچھے سے ہم نے اپنے رسول پے درپے بھیجے۔ پس ان تمام آیات سے ظاہر ہے کہ عادت اللہ یہی ہے کہ وہ اپنی کتاب بھیج کر پھر اُسکی تائید اور تصدیق کے لئے ضرور انبیاء کو بھیجا کرتا ہے چنانچہ توریت کی تائید کے لئے ایک ایک وقت میں چار چار سو نبی بھی آیا جن کے آنے پر اب تک بائبل شہادت دے رہی ہے۔

اس کثرت ارسال رسل میں اصل بھید یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ عہد مؤکد ہو چکا ہے کہ جو اسکی سچی کتاب کا انکار کرے تو اس کی سزا دائمی جہنم ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے والذین کفروا وکذبوا بایٰتنا اولٰئک اصحاب النار ھم فیھا خٰلدون یعنے جو لوگ کافر ہوئے اور ہماری آیتوں کی تکذیب کی وہ جہنمی ہیں اور اُس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اب جبکہ سزائے انکار کتاب الٰہی میں ایسی سخت تھی اور دوسری طرف یہ مسئلہ نبوت اور وحی الٰہی کا نہایت دقیق تھا بلکہ خود خدا تعالیٰ کا وجود بھی ایسا دقیق در دقیق تھا کہ جب تک انسان کی آنکھ خداداد نور سے منور نہ ہو ہرگز ممکن نہ تھا کہ سچی اور پاک معرفت اس کی حاصل ہو سکے چہ جائیکہ اُس کے رسولوں کی معرفت اور اس کی کتاب کی معرفت حاصل ہو اس لئے رحمانیت الٰہی نے تقاضا کیا کہ اندھی اور نابینا مخلوق کی بہت ہی مدد کی جائے اور صرف اسپر اکتفا نہ کیا جائے کہ ایک مرتبہ رسول اور کتاب بھیج کر پھر باوجود امتداد ازمنہ طویلہ کے اُن عقائد کے انکار کی وجہ سے جن کو بعد میں میں آنے والے زیادہ اس سے سمجھ نہیں سکتے کہ وہ ایک پاک اور عمدہ منقولات ہیں ہمیشہ کی جہنم میں منکروں کو ڈال دیا جائے اور درحقیقت سوچنے والے کے لئے یہ بات نہایت صاف اور روشن ہے کہ وہ خدا جس کا نام رحمٰن اور رحیم ہے اتنی بڑی سزا دینے کے لئے کیونکر یہ قانون اختیار کر سکتا ہے کہ بغیر پورے طور پر اتمام حجت کے مختلف بلاد کے

ایسے لوگوں کو جنہوں نے صدہا برسوں کے بعد قرآن اور رسول کا نام سُنا اور پھر وہ عربی سمجھ نہیں سکتے. قرآن کی خوبیوں کو دیکھ نہیں سکتے دائمی جہنم میں ڈالدے اور کس انسان کی کانشنس اس بات کو قبول کر سکتی ہے کہ بغیر اسکے کہ قرآن کریم کا منجانب اللہ ہونا اس پر ثابت کیا جائے. یونہی اسپر چھری پھیر دی جائے. پس یہی وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے دائمی خلیفوں کا وعدہ دیا تا وہ ظلی طور پر انوار نبوت پا کر دُنیا کو ملزم کریں اور قرآن کریم کی خوبیاں اور اسکی پاک برکات لوگوں کو دکھلاویں. یہ بھی یاد رہے کہ ہر ایک زمانہ کے لئے اتمام حجت بھی مختلف رنگوں سے ہُوا کرتا ہے اور مجدد وقت اُن قوتوں اور ملکوں اور کمالات کے ساتھ آتا ہے جو موجودہ مفاسد کا اصلاح پانا اُن کمالات پر موقوف ہوتا ہے سو ہمیشہ خدا تعالیٰ اسی طرح کرتا رہے گا جب تک کہ اس کو منظور ہے کہ آثار رُشد اور صلاح کے دُنیا میں باقی رہیں اور یہ باتیں بے ثبوت نہیں بلکہ نظائر متواترہ اس کے شاہد ہیں اور مختلف بلاد کے نبیوں اور مرسلوں اور محدثوں کو چھوڑ کر اگر صرف بنی اسرائیل کے نبیوں اور مرسلوں اور محدثوں پر ہی نظر ڈالی جائے تو ان کی کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ چودہ سَو برس کے عرصہ میں یعنے حضرت موسیٰ سے حضرت مسیح تک ہزارہا نبی اور محدث اُن میں پیدا ہوئے جو خادموں کی طرح کمر بستہ ہو کر توریت کی خدمت میں مصروف رہے چنانچہ اُن تمام بیانات پر قرآن شاہد ہے اور بائبل شہادت دے رہی ہے اور وہ نبی کوئی نئی کتاب نہیں لاتے تھے کوئی نیا دین نہیں سکھاتے تھے صرف توریت کے خادم تھے اور جب بنی اسرائیل میں دہریت اور بے ایمانی اور بد چلنی اور سنگدلی پھیل جاتی تھی تو ایسے وقتوں میں وہ ظہور کرتے تھے۔ اب کوئی سوچنے والا سوچے کہ جس حالت میں موسیٰ کی ایک محدود شریعت کے لئے جو زمین کی تمام قوموں کے لئے نہیں تھی اور نہ قیامت تک اس کا دامن پھیلا ہوا تھا۔ خدا تعالیٰ نے یہ احتیاطیں کیں کہ ہزارہا نبی اس شریعت کی تجدید کے لئے بھیجے اور بارہا آنے والے نبیوں نے ایسے نشان دکھلائے کہ گویا بنی اسرائیل نے نئے سرے خدا کو دیکھ لیا تو پھر یہ امت جو خیر الامم کہلاتی ہے اور خیر الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن سے لٹک رہی ہے کیونکر ایسی بدقسمت سمجھی جائے کہ خدا تعالیٰ نے

صرف تیس برس اسکی طرف نظر رحمت کرکے اور آسمانی انوار دکھلاکر پھر اس سے منہ پھیر لیا اور پھر اس امت پر اپنے نبی کریم کی مفارقت میں صدہا برس گذرے اور ہزارہا طور کے فتنے پڑے اور بڑے بڑے زلزلے آئے اور انواع اقسام کی دجالیت پھیلی اور ایک جہان نے دین متین پر حملے کئے اور تمام برکات اور معجزات سے انکار کیا گیا اور مقبول کو نامقبول ٹھہرایا گیا لیکن خدا تعالیٰ نے پھر کبھی نظر اُٹھاکر اس امت کی طرف نہ دیکھا اور اُس کو کبھی اس امت پر رحم نہ آیا۔ اور کبھی اسکو یہ خیال نہ آیا کہ یہ لوگ بھی تو بنی اسرائیل کی طرح انسان ضعیف البنیان ہیں اور یہودیوں کی طرح اُن کے پودے بھی آسمانی آبپاشی کے ہمیشہ محتاج ہیں۔ کیا اس کریم خدا سے ایسا ہو سکتا ہے جس نے اُس نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ کے مفاسد کے دُور کرنے کے لئے بھیجا تھا کیا ہم یہ گمان کر سکتے ہیں کہ پہلی امتوں پر تو خدا تعالےٰ کا رحم تھا اس لئے اُس نے توریت کو بھیج کر پھر ہزارہا رسول اور محدث توریت کی تائید کے لئے اور دلوں کو بار بار زندہ کرنے کے لئے بھیجے لیکن یہ امت موردِ غضب تھی اِس لئے اُس نے قرآن کریم کو نازل کرکے اِن سب باتوں کو بھلا دیا اور ہمیشہ کے لئے علمار کو اُن کی عقل اور اجتہاد پر چھوڑ دیا اور حضرت موسیٰ کی نسبت تو صاف فرمایا وکلم اللہ موسیٰ تکلیما۔ رسلاً مبشرین ومنذرین لئلا یکون للناس علی اللہ حجۃ بعد الرسل وکان اللہ عزیزاً حکیماً ه یعنے خدا موسیٰ سے ہمکلام ہوا اور اُس کی تائید اور تصدیق کے لئے رسول بھیجے جو مبشر اور منذر تھے تا کہ لوگوں کی کوئی حجت باقی نہ رہے اور نبیوں کا مسلسل گروہ دیکھ کر توریت پر دلی صدق سے ایمان لاویں اور فرمایا ورسلاً قد قصصنا ھم علیک ورسلاً لم نقصص ھم علیک یعنی ہم نے بہت سے رسول بھیجے اور بعض کا تو ہم نے ذکر کیا۔ اور بعض کا ذکر بھی نہیں کیا لیکن دین اسلام کے طالبوں کے لئے وہ انتظام نہ کیا گویا جو رحمت اور عنایت باری حضرت موسیٰ کی قوم پر تھی وہ اس امت پر نہیں ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ ہمیشہ امتداد زمانہ کے بعد پہلے معجزات اور کرامات قصہ کے رنگ میں ہو جاتے ہیں اور پھر آنیوالی نسلیں اپنے گروہ کو ہر یک امر خارق عادت سے بے بہرہ دیکھ آخر گذشتہ معجزات کی نسبت شک پیدا کرتی ہیں پھر جس حالت میں بنی اسرائیل کے

ہزار ہا انبیاء کا نمونہ آنکھوں کے سامنے ہے تو اس سے اور بھی بیدلی اس امت کو پیدا ہوگی اور اپنے تئیں بد قسمت پا کر بنی اسرائیل کو رشک کی نگہ سے دیکھیں گے یا بدخیالات میں گرفتار ہوکر اُنکے قصوں کو بھی صرف افسانجات خیال کرینگے اور یہ قول کہ پہلے اس سے ہزار ہا انبیاء ہو چکے اور معجزات بھی بکثرت ہوئے۔ اس لئے اس امت کو خوارق اور کرامات اور برکات کی کچھ ضرورت نہیں تھی لہذا خدا تعالےٰ نے ان کو سب باتوں سے محروم رکھا۔ یہ صرف کہنے کی باتیں ہیں جنہیں وہ لوگ منہ پر لاتے ہیں جن کو ایمان کی کچھ بھی پروا نہیں ورنہ انسان نہایت ضعیف اور ہمیشہ تقویت ایمان کا محتاج ہے اور اس راہ میں اپنے خود ساختہ دلائل کبھی کام نہیں آسکتے۔ جب تک تازہ طور پر معلوم نہ ہو کہ خدا موجود ہے ہاں جھوٹا ایمان جو بدکاریوں کو روک نہیں سکتا نقلی اور عقلی طور پر قائم رہ سکتا ہے اور اس جگہ یہ بھی یاد رہے کہ دین کی تکمیل اس بات کو مستلزم نہیں جو اس کی مناسب حفاظت سے بکلی دست بردار ہو جائے مثلاً اگر کوئی گھر بناوے اور اس کے تمام کمرے سلیقہ سے طیار کرے اور اس کی تمام ضرورتیں جو عمارت کے متعلق ہیں باحسن وجہ پوری کر دیوے اور پھر مدت کے بعد اندھیریاں چلیں اور بارشیں ہوں اور اس گھر کے نقش و نگار پر گرد و غبار بیٹھ جاوے اور اس کی خوبصورتی چھپ جاوے اور پھر اس کا کوئی وارث اُس گھر کو صاف اور سفید کرنا چاہے مگر اُس کو منع کر دیا جاوے کہ گھر تو مکمل ہو چکا ہے تو ظاہر ہے کہ یہ منع کرنا سراسر حماقت ہے افسوس کہ ایسے اعتراضات کرنے والے نہیں سوچتے کہ تکمیل شئ دیگر ہے اور وقتاً فوقتاً ایک مکمل عمارت کی صفائی کرنا یہ اور بات ہے یہ یاد رہے کہ مجدد لوگ دین میں کچھ کمی بیشی نہیں کرتے۔ ہاں گمشدہ دین کو پھر دلوں میں قائم کرتے ہیں اور یہ کہنا کہ مجددوں پر ایمان لانا کچھ فرض نہیں خدا تعالےٰ کے حکم سے انحراف ہے کیونکہ وہ فرماتا ہے ومن کفر بعد ذٰلك فاولٰئك ھم الفاسقون یعنے بعد اس کے جو خلیفے بھیجے جائیں پھر جو شخص ان کا منکر رہے وہ فاسقوں میں سے ہے۔

اب خلاصہ اس تمام تقریر کا کسی قدر اختصار کے ساتھ ہم ذیل میں لکھتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ دلائل مندرجہ ذیل سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ بات نہایت ضروری ہے کہ بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

امت میں فساد اور فتنوں کے وقتوں میں ایسے مصلح آتے رہیں جن کو انبیاء کے کئی کاموں میں سے یہ ایک کام سپرد ہو کہ وہ دین حق کی طرف دعوت کریں اور ہر یک بدعت جو دین سے مل گئی ہو اس کو دور کریں اور آسمانی روشنی پاکر دین کی صداقت ہر یک پہلو سے لوگوں کو دکھلاویں اور اپنے پاک نمونہ سے لوگوں کو سچائی اور محبت اور پاکیزگی کی طرف کھینچیں اور وہ دلائل یہ ہیں

اول۔ یہ کہ اس بات کو عقل ضروری تجویز کرتی ہے کہ چونکہ الٰہیات اور امور معاد کے مسائل نہایت باریک اور نظری ہیں گویا تمام امور غیر مرئی اور فوق العقل پر ایمان لانا پڑتا ہے نہ خدا تعالےٰ کبھی کسی کو نظر آیا نہ کبھی کسی نے بہشت دیکھی اور نہ دوزخ کا ملاحظہ کیا اور نہ ملائک سے ملاقات ہوئی۔ اور علاوہ اس کے احکام الٰہی مخالف جذبات نفس ہیں۔ اور نفس امارہ جن باتوں میں لذت پاتا ہے احکام الٰہی اُن سے منع کرتے ہیں لہذا عند العقل یہ بات نہ صرف احسن بلکہ واجب ہے کہ خدا تعالیٰ کے پاک نبی جو شریعت اور کتاب لے کر آتے ہیں اور اپنے نفس میں تاثیر اور قوت قدسیہ رکھتے ہیں یا تو وہ ایک لمبی عمر لے کر آویں اور ہمیشہ اور ہر صدی میں ہر یک اپنی نئی امت کو اپنی ملاقات اور صحبت سے شرف بخشیں اور اپنے زیر سایہ رکھ کر اور اپنے پُر فیض پروں کے نیچے اُن کو لیکر وہ برکت اور نور اور رُوحانی معرفت پہنچاویں جو انہوں نے ابتدا زمانہ میں پہنچائی تھی اور اگر ایسا نہیں تو پھر اُنکے وارث جو انھیں کے کمالات اپنے اندر رکھتے ہوں اور کتاب الٰہی کے حقائق اور معارف کو وحی اور الہام سے بیان کر سکتے ہوں اور منقولات کو مشہودات کے پیرایہ میں دکھلا سکتے ہوں اور طالب حق کو یقین تک پہنچا سکتے ہوں ہمیشہ فتنہ اور فساد کے وقتوں میں ضرور پیدا ہونے چاہیئے تا انسان جو مغلوب شبہات ونسیان ہے اُنکے فیض حقیقی سے محروم نہ رہے کیونکہ یہ بات نہایت صاف اور بدیہی ہے کہ جب زمانہ ایک نبی کا اپنے خاتمہ کو پہنچتا ہے اور اسکی برکات کے دیکھنے والے فوت ہو جاتے ہیں تو وہ تمام مشہودات منقولات کے رنگ میں آجاتے ہیں پھر دوسری صدی کے لوگوں کی نظریں اس نبی کے اخلاق اور اس نبی کے عبادات اور اس نبی کا صبر اور استقامت اور صدق اور صفا اور وفا اور تمام تائیدات الٰہیہ اور خوارق اور معجزات جنسے اسکی صحت نبوت اور صداقت دعویٰ پر استدلال ہو سکتے نئی صدی کے لوگوں کو

کچھ قصے سے معلوم ہوتے ہیں اور اسی وجہ سے وہ انشراح ایمانی اور جوش اطاعت جو نبی کے دیکھنے والوں میں ہوتا ہے دوسروں میں وہ بات پائی نہیں جاتی اور صاف ظاہر ہے کہ جو کچھ صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمانی صدق دکھلایا اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں اور اپنی آبروؤں کو اسلام کی راہوں میں نہایت اخلاص سے قربان کیا اُس کا نمونہ اور صدیوں میں تو کجا۔ خود دوسری صدی کے لوگوں یعنے تابعین میں بھی نہیں پایا گیا اس کی کیا وجہ تھی؟ یہی تو تھی کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اُس مرد صادق کا مُنہ دیکھا تھا جس کے عاشق اللہ ہونے کی گواہی کفار قریش کے مُنہ سے بھی بے ساختہ نکل گئی اور روز کی مناجاتوں اور پیار کے سجدوں کو دیکھ کر اور فنافی الاطاعت کی حالت اور کمال محبت اور دلدادگی کے مُنہ پر روشن نشانیاں اور اس پاک مُنہ پر نور الٰہی برستا مشاہدہ کر کے کہتے تھے عشق محمّد علٰی ربّہٖ کہ محمد اپنے رب پر عاشق ہو گیا ہے۔ اور پھر صحابہ نے صرف وہ صدق اور محبت اور اخلاص ہی نہیں دیکھا بلکہ اس پیار کے مقابل پر جو ہمارے سید محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دل سے ایک دریا کی طرح جوش مارتا تھا خدا تعالے کے پیار کو بھی تائیدات خارق عادت کے رنگ میں مشاہدہ کیا تب اُن کو پتہ لگ گیا کہ خدا ہے اور اُنکے دل بول اٹھے کہ وہ خدا اس مرد کے ساتھ ہے انھوں نے اِس قدر عجائبات الٰہیہ دیکھے اور اس قدر نشان آسمانی مشاہدہ کئے کہ اُن کو کچھ بھی اس بات میں شک نہ رہا کہ فی الحقیقت ایک اعلیٰ ذات موجود ہے جس کا نام خدا ہے اور جس کے قبضۂ قدرت میں ہر ایک امر ہے اور جس کے آگے کوئی بات بھی انہونی نہیں اسی وجہ سے انھوں نے وہ کام صدق وصفا کے دکھلائے اور وہ جانفشانیاں کیں کہ انسان کبھی کر نہیں سکتا جب تک اُس کے تمام شک و شبہ دُور نہ ہو جائیں اور انھوں نے بچشم خود دیکھ لیا کہ وہ ذات پاک اسی میں راضی ہے کہ انسان اسلام میں داخل ہو اور اس کے رسول کریم کی بدل وجان متابعت اختیار کرے تب اس حق الیقین کے بعد جو کچھ انھوں نے متابعت دکھلائی اور جو کچھ انھوں نے متابعت کے جوش سے کام کئے اور جس طرح پر اپنی جانوں کو اپنے برگزیدہ ہادی کے آگے پھینک دیا یہ وہ باتیں ہیں کہ کبھی ممکن ہی نہیں کہ انسان کو حاصل ہو سکیں جب تک کہ وہی بہادر آنکی

ر کے سامنے نہ ہو جو صحابہ پر آئی تھی اور جبکہ ان کمالات کو پیدا کرنا بغیر وجودان وسائل کے محالات
سے ہے اور نجات کا یقینی طور پر حاصل ہونا بھی بغیر ذریعہ ان کمالات کے از قبیل محال تو
روری ہوا کہ وہ خداوند کریم جس نے ہر ایک کو نجات کے لئے بلایا ہے ایسا ہی انتظام ہر یک
ندی کے لئے رکھے تا اُس کے بندے کسی زمانہ میں حق الیقین کے مراتب سے محروم نہ رہیں۔

اور یہ کہنا کہ ہمارے لئے قرآن اور احادیث کافی ہیں اور صحبت صادقین کی ضرورت
نہیں یہ خود مخالفت تعلیم قرآن ہے کیونکہ اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے **وکونوا مع
الصّادقین** اور صادق وہ ہیں جنھوں نے صدق کو علی وجہ البصیرت شناخت کیا اور
ھر اس پر دل وجان سے قائم ہو گئے اور یہ اعلیٰ درجہ بصیرت کا بجز اسکے ممکن نہیں کہ سماوی
ئید شامل حال ہو کر اعلیٰ مرتبہ حق الیقین تک پہنچا دیوے۔ پس ان معنوں کر کے صادق حقیقی
نبیاء اور رُسل اور محدث اور اولیاء کاملین مکملین ہیں جن پر آسمانی روشنی پڑی اور جنہوں نے
دا تعالیٰ کو اسی جہان میں یقین کی آنکھوں سے دیکھ لیا اور آیت موصوفہ بالا بطور اشارات ظاہر
ر رہی ہے کہ دُنیا صادقوں کے وجود سے کبھی خالی نہیں ہوتی۔ کیونکہ دوام حُکم کونوا مع الصّادقین
دوام وجود صادقین کو مستلزم ہے۔

علاوہ اس کے مشاہدہ صاف بتلا رہا ہے کہ جو لوگ صادقوں کی صحبت سے لاپروا ہو کر عمر
گذارتے ہیں اُن کے علوم و فنون جسمانی جذبات سے اُن کو ہرگز صاف نہیں کر سکتے اور کم سے کم
تنا ہی مرتبہ اسلام کا کہ دلی یقین اس بات پر ہو کہ خدا ہے اُن کو ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا اور
جس طرح وہ اپنی اُس دولت پر یقین رکھتے ہیں جو اُن کے صندوقوں میں بند ہو یا اپنے ان
مکانات پر جو اُن کے قبضہ میں ہوں ہرگز ان کو ایسا یقین خدا تعالیٰ پر نہیں ہوتا وہ سم الفار کھانے سے
ڈرتے ہیں کیونکہ وہ یقیناً جانتے ہیں وہ ایک زہر مہلک ہے لیکن گناہوں کی زہر سے نہیں ڈرتے
حالانکہ ہر روز قرآن میں پڑھتے ہیں انہ من یات ربہ مجرمًا فان لہٗ جہنم لا یموت فیہا ولا
یحییٰ پس سچ تو یہ ہے کہ جو شخص خدا تعالیٰ کو نہیں پہچانتا وہ قرآن کو بھی نہیں پہچان سکتا۔ ہاں یہ بات بھی

درست ہے کہ قرآن ہدایت کے لئے نازل ہُوا ہے مگر قرآن کی ہدائتیں اُس شخص کے وجود کے
وابستہ ہیں جس پر قرآن نازل ہُوا یا وہ شخص جو منجانب اللہ اس کا قائم مقام ٹھہرایا گیا اگر قرآن
اکیلا ہی کافی ہوتا تو خدا تعالیٰ قادر تھا کہ قدرتی طور پر درختوں کے پتوں پر قرآن لکھا جاتا یا لکھا
لکھایا آسمان سے نازل ہو جاتا۔ مگر خدا تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا بلکہ قرآن کو دنیا میں نہیں بھیجا
جب تک معلّم القرآن دُنیا میں نہیں بھیجا گیا۔ قرآن کریم کو کھولکر دیکھو کتنے مقام میں اس مضمون
کی آئتیں ہیں کہ یعلمھم الکتٰب والحکمۃ یعنی وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن اور قرآنی
حکمت لوگوں کو سکھلاتا ہے اور پھر ایک جگہ اور فرماتا ہے وَلَا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ یعنے قرآن
کے حقائق و دقائق انہیں پر کھلتے ہیں جو پاک کئے گئے ہیں۔ پس ان آیات سے صاف ثابت ہوتا
ہے کہ قرآن کے سمجھنے کے لئے ایک ایسے معلّم کی ضرورت ہے جس کو خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے
پاک کیا ہو اگر قرآن کے سیکھنے کے لئے معلّم کی حاجت نہ ہوتی تو ابتدائی زمانہ میں بھی نہ ہوتی اور
یہ کہنا کہ ابتداء میں تو حل مشکلات قرآن کے لئے ایک معلّم کی ضرورت تھی لیکن جب حل ہو گئیں تو
اب کیا ضرورت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حل شدہ بھی ایک مدت کے بعد پھر قابل حل ہو جاتی
ہیں ماسوا اس کے اُمت کو ہر ایک زمانہ میں نئی مشکلات بھی تو پیش آتی ہیں اور قرآن جامع جمیع
علوم تو ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ ایک ہی زمانہ میں اس کے تمام علوم ظاہر ہو جائیں بلکہ جیسی
جیسی مشکلات کا سامنا ہوتا ہے ویسے ویسے قرآنی علوم کھلتے ہیں اور ہر یک زمانہ کی مشکلات کے
مناسب حال اُن مشکلات کو حل کرنے والے رُوحانی معلّم بھیجے جاتے ہیں جو وارث رُسل ہوتے ہیں
اور ظلّی طور پر رسولوں کے کمالات کو پاتے ہیں اور جس مجدّد کی کارروائیاں کسی ایک رسول کی
منصبی کارروائیوں سے شدید مشابہت رکھتی ہیں وہ عنداللہ اسی رسول کے نام سے پکارا جاتا ہے
اور نئے معلّموں کی اس وجہ سے بھی ضرورت پڑتی ہے کہ بعض حصے تعلیم قرآن شریف کے
از قبیل حال ہیں نہ از قبیل قال۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پہلے معلّم اور اصل وارث
اس تخت کے ہیں حالی طور پر اُن دقائق کو اپنے صحابہ کو سمجھایا ہے مثلاً خدا تعالیٰ کا یہ کہنا کہ میں عالم الغیب ہوں

اور میں مجیب الدعوات ہوں اور میں قادر ہوں اور میں دُعاؤں کو قبول کرتا ہوں اور طالبوں کو
حقیقی روشنی تک پُہنچاتا ہوں اور مَیں اپنے صادق بندوں کو الہام دیتا ہوں اور جسپر چاہتا
ہوں اپنے بندوں میں سے اپنی رُوح ڈالتا ہوں یہ تمام باتیں ایسی ہیں کہ جب تک معلّم خود ان کا
نمونہ بن کر نہ دکھلاوے تب تک یہ کسی طرح سمجھ ہی نہیں آسکتیں۔ پس ظاہر ہے کہ صرف ظاہری
علمار جو خود اندھے ہیں ان تعلیمات کو سمجھا نہیں سکتے بلکہ وہ تو اپنے شاگردوں کو ہر وقت اسلام
کی عظمت سے بدظن کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ باتیں آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گئی ہیں اور اُنکے
ایسے بیانات سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ گویا اسلام اب زندہ مذہب نہیں اور اُسکی حقیقی تعلیم
پانے کے لئے اب کوئی بھی راہ نہیں لیکن ظاہر ہے کہ اگر خدا تعالےٰ کا اپنی مخلوق کے لئے یہ ارادہ
ہے کہ وہ ہمیشہ قرآن کریم کے چشمہ سے ان کو پانی پلاوے تو بیشک وہ اپنے اُن قوانین قدیمہ کی
رعایت کرے گا جو قدیم سے کرتا آیا ہے اور اگر قرآن کی تعلیم صرف اسی حد تک محدود ہے جس حد
تک ایک تجربہ کار اور لطیف الفکر فلاسفر کی تعلیم محدود ہو سکتی ہے اور آسمانی تعلیم جو محض حال کے نمونہ
سے سمجھائی جاتی ہے اس میں نہیں تو پھر نعوذ باللہ قرآن کا آنا لاحاصل ہے۔ مگر میں جانتا ہوں کہ اگر
کوئی ایک دم کے واسطے بھی اس مسئلہ میں فکر کرے کہ انبیاء کی تعلیم اور حکیموں کی تعلیم میں بصورت
فرض کرنے صحت ہر دو تعلیم کے مابہ الامتیاز کیا ہے تو بجز اس کے اور کوئی مابہ الامتیاز قرار
نہیں دے سکتا کہ انبیار کی تعلیم کا بہت سا حصّہ فوق العقل ہے جو بجز حالی تفہیم اور تعلیم کے اور
کسی راہ سے سمجھ ہی نہیں آسکتا اور اس حصّہ کو وہی لوگ دلنشین کرا سکتے ہیں جو صاحب حال
ہوں۔ مثلاً ایسے ایسے مسائل کہ اس طرح پر فرشتے جان نکالتے ہیں اور پھر یوں آسمان پر لے جاتے ہیں اور پھر قبر
میں حساب اس طور سے ہوتا ہے اور بہشت ایسا ہے۔ اور دوزخ ایسا۔ اور پُل صراط ایسا اور عرش اللہ کو
چار فرشتے اُٹھا رہے ہیں اور پھر قیامت کو آٹھ اُٹھائینگے۔ اور اس طرح پر خدا اپنے بندوں پر وحی نازل کرتا
ہے یا مکاشفات کا دروازہ ان پر کھولتا ہے یہ تمام حالی تعلیم ہے اور مجرد قیل و قال سے سمجھ نہیں آسکتی اور جبکہ
یہ حال ہے تو پھر میں دوبارہ کہتا ہوں کہ اگر اللہ جلشانہٗ نے اپنے بندوں کے لئے یہ ارادہ فرمایا ہے کہ اسکی کتاب کا یہ حصہ

تعلیم ابتدائی زمانہ تک محدود نہ رہے تو بیشک اُس نے یہ بھی انتظام کیا ہوگا کہ اس حصہ تعلیم کے معلم بھی ہمیشہ آتے رہیں کیونکہ حصہ حالی تعلیم کا بغیر توسط اُن معلموں کے جو مرتبہ حال پر پہنچ گئے ہوں ہرگز سمجھ نہیں آسکتا اور دُنیا ذرہ ذرہ بات پر ٹھوکریں کھاتی ہے پس اگر اسلام میں بعد آنحضرت صلعم ایسے معلم نہیں آئے جن میں ظلی طور پر نور نبوت تھا تو گویا خدا تعالیٰ نے عمداً قرآن کو ضائع کیا کہ اس کے حقیقی اور واقعی طور پر سمجھنے والے بہت جلد دُنیا سے اُٹھا لئے مگر یہ بات اُس کے وعدہ کے برخلاف ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون یعنی ہم نے ہی قرآن کو اُتارا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرتے رہیں گے اب میں نہیں سمجھ سکتا کہ اگر قرآن کے سمجھنے والے ہی باقی نہ رہے اور اس پر یقینی اور حالی طور پر ایمان لانے والے زاویہ عدم میں مختفی ہوگئے تو پھر قرآن کی حفاظت کیا ہوئی کیا حفاظت سے یہ حفاظت مراد ہے کہ قرآن بہت سے خوشخط نسخوں میں تحریر ہو کر قیامت تک صندوقوں میں بند رہے گا جیسے بعض مدفون خزانے گو کسی کے کام نہیں آتے مگر زمین کے نیچے محفوظ پڑے رہتے ہیں۔ کیا کوئی سمجھ سکتا ہے کہ اس آیت سے خدا تعالیٰ کا یہی منشا ہے اگر یہی منشا ہے تو ایسی حفاظت کوئی کمال کی بات نہیں بلکہ یہ تو ہنسی کی بات ہے اور ایسی حفاظت کا مُنہ پر لانا دشمنوں سے ٹھٹھا کرانا ہے کیونکہ جبکہ علت غائی مفقود ہو تو ظاہری حفاظت سے کیا فائدہ۔ ممکن ہے کہ کسی گڑھے میں کوئی نسخہ انجیل یا توریت کا بھی ایسا ہی محفوظ پڑا ہو۔ اور دُنیا میں تو ہزارہا کتابیں اس قسم کی پائی جاتی ہیں کہ جو یقینی طور پر بغیر کسی کمی بیشی کے کسی مؤلف کی تالیف سمجھی گئی ہیں تو اس میں کمال کیا ہوا۔ اور اُمت کو خصوصیت کے ساتھ فائدہ کیا پہنچا گو اس سے انکار نہیں کہ قرآن کی حفاظت ظاہری بھی دنیا کی تمام کتابوں سے بڑھ کر ہے اور خارق عادت بھی لیکن خدا تعالیٰ جسکی رُوحانی امور پر نظر ہے ہرگز اسکی ذات کی نسبت یہ گمان نہیں کرسکتے کہ اتنی حفاظت سے مراد صرف الفاظ اور حروف کا محفوظ رکھنا ہی مراد لیا ہے حالانکہ ذکر کا لفظ بھی صریح گواہی دے رہا ہے کہ قرآن بہ حیثیت ذکر ہونیکے قیامت تک محفوظ رہے گا اور اسکے حقیقی ذاکر ہمیشہ پیدا ہوتے رہینگے اور اسپر ایک اور آیت بھی بین قرینہ ہے

ور وہ یہ ہے بل ھو اٰیت بیّنات فی صدور الذین اوتوا العلم یعنے قرآن آیات بیّنات ہیں جو اہل علم کے سینوں میں ہیں۔ پس ظاہر ہے کہ اس آیت کے یہی معنی ہیں کہ مومنوں کو قرآن کریم کا علم اور نیز اُس پر عمل عطا کیا گیا ہے اور جبکہ قرآن کی جگہ مومنوں کے سینے ٹھہرے تو یہ آیت کہ انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون بجز اس کے اور کیا معنی رکھتی ہے کہ قرآن سینوں سے محو نہیں کیا جائے گا۔ جس طرح کہ توریت اور انجیل یہود اور نصاریٰ کے سینوں سے محو کی گئی۔ اور گو توریت اور انجیل ان کے ہاتھوں اور اُن کے صندوقوں میں تھی لیکن اُنکے دلوں سے محو ہو گئی یعنے اُنکے دل اسپر قائم نہ رہے اور اُنھوں نے توریت اور انجیل کو اپنے دلوں میں قائم اور بحال نہ کیا۔ غرض یہ آیت بلند آواز سے پکار رہی ہے کہ کوئی حصہ تعلیم قرآن کا برباد اور ضائع نہیں ہوگا۔ اور جس طرح روز اوّل سے اُس کا پودہ دلوں میں جمایا گیا یہی سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔

دوم۔ جس طرح پر کہ عقل اس بات کو واجب اور متحتم ٹھہراتی ہے کہ کتب الٰہی کی دائمی تعلیم اور تفہیم کے لئے ضروری ہے کہ ہمیشہ انبیاء کی طرح وقتاً فوقتاً ملہم اور مکلّم اور صاحب علم لدنی پیدا ہوتے رہیں۔ اسی طرح جب ہم قرآن پر نظر ڈالتے ہیں اور غور کی نگہ سے اُس کو دیکھتے ہیں تو وہ بھی باآواز بلند یہی فرما رہا ہے کہ روحانی معلموں کا ہمیشہ کے لئے ہونا اُس کے ارادہ قدیمہ میں مقرر ہو چکا ہے دیکھو اللہ جلشانہ فرماتا ہے واما ماینفع الناس فیمکث فی الارض الجزو ۱۳ یعنے جو چیز انسانوں کو نفع پہنچاتی ہے وہ زمین پر باقی رہتی ہے اب ظاہر ہے کہ دنیا میں زیادہ تر انسانوں کو نفع پہنچانے والے گروہ انبیاء ہیں کہ جو خوارق سے معجزات سے پیشگوئیوں سے حقائق سے معارف سے اپنی راستبازی کے نمونہ سے انسانوں کے ایمان کو قوی کرتے ہیں اور حق کے طالبوں کو دینی نفع پہنچاتے ہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ دُنیا میں کچھ بہت مدت تک نہیں رہتے بلکہ تھوڑی سی زندگی بسر کرکے اس عالم سے اٹھائے جاتے ہیں لیکن آیت کے مضمون میں خلاف نہیں اور ممکن نہیں کہ خدا تعالیٰ کا کلام خلاف واقع ہو پس انبیا کی

طرف نسبت دے کر معنی آیت کے یُوں ہونگے کہ انبیاء من حیث الظل باقی رکھے جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ ظلی طور پر ہر یک ضرورت کے وقت میں کسی اپنے بندہ کو اُن کی نظیر اور مثیل پیدا کر دیتا ہے جو انہیں کے رنگ میں ہو کر اُن کی دائمی زندگی کا موجب ہوتا ہے۔ اور اسی ظلی وجود کے قائم رکھنے کے لئے خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کو یہ دُعا سکھائی ہے **اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم** یعنے اے خدا ہمارے ہمیں وہ سیدھی راہ دکھا جو تیرے اُن بندوں کی راہ ہے جن پر تیرا انعام ہے اور ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کا انعام جو انبیاء پر ہؤا تھا جس کے مانگنے کے لئے اِس دُعا میں حکم ہے۔ وہ درم اور دینار کی قسم میں سے نہیں بلکہ وہ انوار اور برکات اور محبت اور یقین اور خوارق اور تائید سماوی اور قبولیت اور معرفت تامہ کاملہ اور وحی اور کشف کا انعام ہے اور خدا تعالیٰ نے اس امت کو اس انعام کے مانگنے کے لئے تبہی حکم فرمایا کہ اول اِس انعام کے عطا کرنے کا ارادہ بھی کر لیا۔ پس اِس آیت سے بھی کُھلے کُھلے طور پر یہی ثابت ہؤا کہ خدا تعالیٰ اس امت کو ظلی طور پر تمام انبیاء کا وارث ٹھہراتا ہے تا انبیاء کا وجود ظلی طور پر ہمیشہ باقی رہے اور دُنیا اُن کے وجود سے کبھی خالی نہ ہو۔ اور نہ صرف دُعا کے لئے حکم کیا بلکہ ایک آیت میں وعدہ بھی فرمایا ہے اور وہ یہ ہے **والذین جاھدوا فینا لنھدینّھم سبلنا** یعنے جو لوگ ہماری راہ میں جو صراط مستقیم ہے مجاہدہ کریں گے تو ہم اُن کو اپنی راہیں بتلا دیں گے اور ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کی راہیں وہی ہیں جو انبیاء کو دکھلائی گئیں تھیں۔

پھر بعض اور آیات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ضرور خداوند کریم نے یہی ارادہ فرمایا ہے کہ رُوحانی معلم جو انبیاء کے وارث ہیں ہمیشہ ہوتے رہیں اور وہ یہ ہیں وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصّٰلحٰت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولا یزال الذین کفروا تصیبھم بما صنعوا قارعۃ او تحل قریبًا من دارھم حتی یاتی وعد اللہ

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ الجزو نمبر ۱۳ وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا

یعنی خدا تعالیٰ نے تمہارے لئے اے مومنانِ امت محمدیہ وعدہ کیا ہے کہ تمہیں بھی وہ زمین میں خلیفہ کرے گا جیسا کہ تم سے پہلوں کو کیا۔ اور ہمیشہ کفار پر کسی قسم کی کوفتیں جسمانی ہوں یا روحانی پڑتی رہینگی یا اُن کے گھر سے نزدیک آ جائینگی یہاں تک کہ خدا تعالیٰ کا وعدہ آ پہنچے گا۔ اور خدا تعالیٰ اپنے وعدوں میں تخلف نہیں کرتا۔ اور ہم کسی قوم پر عذاب نازل نہیں کرتے جب تک ایک رسول بھیج نہ لیں۔

اِن آیات کو اگر کوئی شخص تامل اور غور کی نظر سے دیکھے تو میں کیونکر کہوں کہ وہ اس بات کو سمجھ نہ جائے کہ خدا تعالیٰ اس امت کے لئے خلافت دائمی کا صاف وعدہ فرماتا ہے اگر خلافت دائمی نہیں تھی تو شریعت موسوی کے خلیفوں سے تشبیہہ دینا کیا معنی رکھتا تھا اور اگر خلافت راشدہ صرف تیس برس تک رہ کر پھر ہمیشہ کے لیے اُس کا دور ختم ہو گیا تھا تو اس سے لازم آتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا ہرگز یہ ارادہ نہ تھا کہ اِس امت پر ہمیشہ کے لئے ابواب سعادت مفتوح رکھے کیونکہ رُوحانی سِلسلہ کی موت سے دین کی موت لازم آتی ہے اور ایسا مذہب ہرگز زندہ نہیں کہلا سکتا جس کے قبول کرنے والے خود اپنی زبان سے ہی یہ اقرار کریں کہ تیرہ سو برس سے یہ مذہب مرا ہُوا ہے اور خدا تعالیٰ نے اس مذہب کے لئے ہرگز ارادہ نہیں کیا کہ حقیقی زندگی کا وہ نور جو نبی کریم کے سینہ میں تھا وہ توارث کے طور پر دوسروں میں چلا آوے۔

افسوس کہ ایسے خیال پر جمنے والے خلیفہ کے لفظ کو بھی جو استخلاف سے مفہوم ہوتا ہے تدبر سے نہیں سوچتے کیونکہ خلیفہ جانشین کو کہتے ہیں اور رسول کا جانشین حقیقی معنوں کے لحاظ سے وہی ہو سکتا ہے جو ظلّی طور پر رسول کے کمالات اپنے اندر رکھتا ہو اس واسطے رسول کریم نے نہ چاہا کہ ظالم بادشاہوں پر خلیفہ کا لفظ اطلاق ہو کیونکہ خلیفہ درحقیقت رسول کا ظل ہوتا ہے اور چونکہ

کسی انسان کے لئے دائمی طور پر بقا نہیں لہذا خدا تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ رسولوں کے وجود کو جو تمام دُنیا کے وجودوں سے اشرف و اولیٰ ہیں ظلی طور پر ہمیشہ کے لئے تا قیامت قائم رکھے سو اسی غرض سے خدا تعالیٰ نے خلافت کو تجویز کیا تا دُنیا کبھی اور کسی زمانہ میں برکات رسالت سے محروم نہ رہے پس جو شخص خلافت کو صرف تیس برس تک مانتا ہے وہ اپنی نادانی سے خلافت کی علت غائی کو نظر انداز کرتا ہے اور نہیں جانتا کہ خدا تعالیٰ کا یہ ارادہ تو ہرگز نہیں تھا کہ رسول کریم کی وفات کے بعد صرف تیس برس تک رسالت کی برکتوں کو خلیفوں کے لباس میں قائم رکھنا ضروری ہے پھر بعد اس کے دُنیا تباہ ہو جائے تو ہو جائے کچھ پروا نہیں بلکہ پہلے دنوں میں تو خلیفوں کا ہونا بجز شوکت اسلام پھیلانے کے کچھ اور زیادہ ضرورت نہیں رکھتا تھا کیونکہ انوار رسالت اور کمالات نبوت تازہ بتازہ پھیل رہے تھے اور ہزارہا معجزات بارش کی طرح ابھی نازل ہو چکے تھے اور اگر خدا تعالےٰ چاہتا تو اس کی سنت اور قانون سے یہ بھی بعید نہ تھا کہ بجائے ان چار خلیفوں کے اُس تیس برس کے عرصہ تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کو ہی بڑھا دیتا۔ اس حساب سے تیس برس کے ختم ہونے تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کل ۹۳ برس کی عمر تک پہنچتے اور یہ اندازہ اس زمانہ کی مقررہ عمروں سے نہ کچھ زیادہ اور نہ اُس قانونِ قدرت سے کچھ بڑھ کر ہے جو انسانی عمروں کے بارے میں ہماری نظر کے سامنے ہے۔

پس یہ حقیر خیال خدا تعالیٰ کی نسبت تجویز کرنا کہ اُس کو صرف اِس امت کے تیس برس کا ہی فکر تھا اور پھر اُن کو ہمیشہ کے لئے ضلالت میں چھوڑ دیا اور وہ نور جو قدیم سے انبیاء سابقین کی امت میں خلافت کے آئینہ میں وہ دکھلاتا رہا اس امت کیلئے دکھلانا اس کو منظور نہ ہوا کیا عقل سلیم خدائے رحیم و کریم کی نسبت ان باتوں کو تجویز کرے گی ہرگز نہیں اور پھر یہ آیت خلافت آئمہ پر گواہ ناطق ہے ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا عبادی الصالحون۔ کیونکہ یہ آیت صاف

اف پکار رہی ہے کہ اسلامی خلافت دائمی ہے اس لئے کہ یرثہا کا لفظ دوام کو چاہتا
ے وجہ یہ کہ اگر آخری نوبت فاسقوں کی ہو تو زمین کے وارث وہی قرار پائیں گے نہ صالح
رسب کا وارث وہی ہوتا ہے جو سب کے بعد ہو۔

پھر اس پر بھی غور کرنا چاہیئے کہ جس حالت میں خدا تعالیٰ نے ایک مثال کے طور پر سمجھا
یا تھا کہ میں اسی طور پر اس اُمت میں خلیفے پیدا کرتا رہوں گا جیسے موسیٰ کے بعد خلیفے پیدا
ئے تو دیکھنا چاہیئے تھا کہ موسیٰ کی وفات کے بعد خدا تعالیٰ نے کیا معاملہ کیا۔ کیا اُس نے
رف تیس برس تک خلیفے بھیجے یا چودہ سو برس تک اس سلسلہ کو لمبا کیا۔ پھر جس
الت میں خدا تعالیٰ کا فضل ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہیں
یادہ تھا چنانچہ اُس نے خود فرمایا وکان فضل اللہ علیک عظیما۔ اور ایسا
ہی اس امت کی نسبت فرمایا وکنتم خیر اُمۃٍ اُخرجت للنّاس تو پھر کیونکر
ہو سکتا تھا کہ حضرت موسیٰ کے خلیفوں کا چودہ سو برس تک سلسلہ ممتد ہو اور اس جگہ
صرف تیس برس تک خلافت کا خاتمہ ہو جاوے اور نیز جبکہ یہ اُمت خلافت کے انوارِ
روحانی سے ہمیشہ کے لئے خالی ہے تو پھر آیت اُخرجت للناس کے کیا معنے ہیں کوئی بیان
کرے۔ مثل مشہور ہے کہ او خویشتن گم است کرا رہبری کند۔ جبکہ اس اُمت کو ہمیشہ کے لئے
اندھا رکھنا ہی منظور ہے اور اس مذہب کو مُردہ رکھنا ہی مدنظر ہے تو پھر یہ کہنا کہ تم سب سے
بہتر ہو اور لوگوں کی بھلائی اور رہنمائی کے لئے پیدا کئے گئے ہو کیا معنی رکھتا ہے کیا اندھا
اندھے کو راہ دکھا سکتا ہے۔ سو اے لوگو جو مسلمان کہلاتے ہو برائے خدا سوچو کہ اس آیت کے
یہی معنی ہیں کہ ہمیشہ قیامت تک تم میں روحانی زندگی اور باطنی بینائی رہے گی۔ اور غیر مذہب
والے تم سے روشنی حاصل کریں گے اور یہ روحانی زندگی اور باطنی بینائی جو غیر مذہب والوں کو حق کی
دعوت کرنے کے لئے اپنے اندر لیاقت رکھتی ہے یہی وہ چیز ہے جس کو دوسرے لفظوں میں خلافت کہتے ہیں
پھر کیونکر کہتے ہو کہ خلافت صرف تیس برس تک ہو کر پھر زاویہ عدم میں مختفی ہوگئی۔ اتقوا اللہ۔ اتقوا اللہ۔ اتقوا اللہ۔

اب یاد رہے کہ اگرچہ قرآن کریم میں اِس قسم کی بہت سی آیتیں ایسی ہیں کہ جو اس امت میں خلافت دائمی کی بشارت دیتی ہیں اور احادیث بھی اِس بارے میں بہت سی بھری پڑی ہیں لیکن بالفعل اِس قدر لکھنا اُن لوگوں کے لئے کافی ہے جو حقائق ثابت شدہ کو دولت عظمیٰ سمجھ کر قبول کر لیتے ہیں اور اسلام کی نسبت اس سے بڑھ کر اور کوئی بد اندیشی نہیں کہ اِس کو مردہ مذہب خیال کیا جائے اور اِس کی برکات کو صرف قرنِ اوّل تک محدود رکھا جاوے کیا وہ کتاب جو ہمیشہ کی سعادتوں کا دروازہ کھولتی ہے وہ ایسی پست ہمتی کا سبق دیتی ہے کہ کوئی برکت اور خلافت آگے نہیں بلکہ سب کچھ پیچھے رہ گیا ہے نبی تو اس امت میں آنے کو رہے اب اگر خلفائے نبی بھی نہ آویں اور وقتاً فوقتاً رُوحانی زندگی کے کرشمے نہ دکھلاویں تو پھر اسلام کی رُوحانیت کا خاتمہ ہے اور پھر ایسے مذہب کو موسوی مذہب کی روحانی شوکت اور جلال سے نسبت ہی کیا ہے جس میں ہزارہا روحانی خلیفے چودہ سو برس تک پیدا ہوتے رہے اور افسوس کہ ہمارے معترض ذرہ نہیں سوچتے کہ اس صورت میں اسلام اپنی رُوحانیت کے لحاظ سے بہت ہی ادنیٰ ٹھہرتا ہے اور نبی متبوع صلے اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ کچھ بہت بڑا نبی ثابت نہیں ہوتا اور قرآن بھی کوئی ایسی کتاب ثابت نہیں ہوتی جو اپنی نورانیت میں قوی الاثر ہو پھر یہ کہنا کہ یہ اُمت خیر الامم ہے اور دوسری اُمتوں کے لئے ہمیشہ روحانی فائدہ پہنچانے والی ہے اور یہ قرآن سب الٰہی کتابوں کی نسبت اپنے کمالات اور تاثیر وغیرہ میں اکمل واتم ہے اور یہ رسول تمام رسولوں سے اپنی قوت قدسیہ اور تکمیل خلق میں اکمل واتم ہے کیسا بیہودہ اور بے معنی اور بے ثبوت دعویٰ ٹھہرے گا۔ اور پھر یہ ایک بڑا فساد لازم آئے گا کہ قرآن کی تعلیمات کا وہ حصہ جو انسان کو رُوحانی انوار اور کمالات میں مشابہ انبیاء بنانا چاہتا ہے ہمیشہ کے لئے منسوخ خیال کیا جائے گا کیونکہ جبکہ اُمت میں یہ استعداد ہی نہیں پائی جاتی کہ خلافت کے کمالات باطنی اپنے اندر پیدا کریں تو ایسی تعلیم جو اس مرتبہ کے حاصل کرنے کے لئے تاکید کر رہی ہے محض لاحاصل ہوگی۔ درحقیقت فقط ایسے سوال سے ہی کیا اسلام اب ہمیشہ کیلئے ایک مذہب مردہ ہے

جس میں ایسے لوگ پیدا نہیں ہوتے جن کی کرامات معجزات کے قائم مقام اور جن کے الہامات وحی کے قائم مقام ہوں بدن کانپ اُٹھتا ہے چہ جائیکہ کسی مسلمان کا نعوذ باللہ ایسا عقیدہ بھی ہو خدا تعالےٰ ایسے لوگوں کو ہدایت کرے جو ان ملحدانہ خیالات میں اسیر ہیں۔

اب جبکہ قرآن شریف کی رُو سے یہی ثابت ہوا کہ اس اُمت مرحومہ میں سلسلہ خلافت دائمی کا اسی طور پر اور اسی کی مانند قائم کیا گیا ہے جو حضرت موسیٰ کی شریعت میں قائم کیا گیا تھا اور صرف اس قدر لفظی فرق رہا کہ اُس وقت تائید دین عیسوی کے لئے نبی آتے تھے اور اب محدث آتے ہیں تو اس ثبوت کو اس بات کا مان لینا مستلزم ہے کہ جیسے حضرت موسیٰ کی شریعت کے آخری زمانہ میں ایک نبی جس کا نام عیسیٰ تھا ایسے وقت میں آیا کہ جب یہودیوں کی اخلاقی حالت بکلی بگڑ گئی تھی اور حقیقی تقویٰ اور دیانت اور قومی ہمدردی اور اتفاق اور سچی خداترسی سے وہ بکلی دُور جا پڑے تھے اور اُن کے علم اور فکر کا مبلغ صرف ظاہری لفاظی اور الفاظ پرستی تک محدود ہو گیا تھا اور نیز اپنی دنیوی حالت میں کمزور اور ذلیل ہو گئے تھے ایسا ہی اس نبی کے ہمرنگ اور اس زمانہ کے مشابہ ایک محدث اس امت میں بھی ایسے وقت میں پیدا ہونا ضروری ہے کہ جب یہ امت بھی اسی طور پر بگڑ جائے کہ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت میں یہودی بگڑے ہوئے تھے۔ اور جب غور سے دیکھا جاتا اور بنظر تحقیق سوچا جاتا ہے تو صاف اور صریح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ زمانہ جس میں حضرت مسیح علیہ السلام کا اس اُمت میں بھی کوئی مثیل بوجہ مماثلت تامہ کاملہ سلسلہ خلفاء موسوی و خلفاء محمدی میں پیدا ہونا چاہیئے یہی زمانہ ہے جس میں ہم ہیں کیونکہ حضرت موسیٰ سے حضرت مسیح کا قریباً چودہ سو برس کا فاصلہ تھا اور اب بھی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس وقت تک چودھویں صدی ہے اور حضرت موسیٰ کی امت چودہویں صدی پر آکر ایسی بگڑ گئی تھی کہ تقویٰ اور دیانت بالکل جاتی رہی تھی اور علماء یہود ناحق کے اختلافات اور نفسانی جھگڑوں میں مصروف تھے اور ان میں بہت کچھ فسق و فجور پھیل گیا تھا اور اُنکی دنیوی حالت میں بھی بہت ابتری پیدا ہو گئی تھی ایسا ہی اس زمانہ میں اس امت کا حال ہے اور جو واقعات

آنکھوں کے سامنے ہیں وہ صاف شہادت دے رہے ہیں کہ درحقیقت اس اُمت اور اس اُمت کے علماء نے اُس زمانہ کے یہودیوں کے قدموں پر قدم مارا ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام کے وقت میں موجود تھے اور نہ صرف اسی بات میں وہ اس وقت کے یہودیوں کے مشابہ ہو گئے ہیں کہ دیانت اور تقویٰ اور روحانیت اور حقیقت شناسی ان میں باقی نہیں رہے بلکہ دنیوی ادبار بھی ویسا ہی شامل حال ہو گیا ہے کہ جیسا اس زمانہ میں تھا اور جیسا کہ اس وقت یہودیہ ریاستوں کو رومی ملوک نے تباہ کر دیا تھا اور ضربت علیہم الذلۃ والمسکنۃ کا مصداق ہو گئے تھے اور یہودی اپنے تئیں ضعیف اور بیکس دیکھ کر ایک ایسے مسیح کے منتظر تھے جو بادشاہ ہو کر آوے اور رومیوں پر تلوار چلاوے کیونکہ توریت کے آخر میں یہی وعدہ دیا گیا تھا ویسا ہی یہ قوم مسلمان بھی اکثر اور اغلب طور پر ادبار کی حالت میں گری ہوئی نظر آتی ہے اگر کوئی ریاست ہے تو اُس کو اندرونی نفاقوں اور وزراء اور عملہ کی خیانتوں اور بادشاہوں کے کسل اور سستیوں اور جہالتوں اور بے خبریوں اور عیش پسندیوں اور آرام طلبیوں نے ایسا کمزور کر دیا ہے کہ اب اُن کا کوئی آخری دم ہی نظر آتا ہے اور یہ لوگ بھی یہودیوں کی طرح منتظر تھے کہ مسیح موعود بادشاہوں کی طرح بڑے جلال کے ساتھ اُن کی حمایت کے لئے نازل ہوگا۔

اب وہ آنکھیں جو دیکھ سکتی ہیں اور وہ دل جو انصاف کر سکتے ہیں اور وہ عقل جو سوچ سکتی ہے اس جگہ دیکھ لیں اور تول لیں اور سوچ لیں کہ کیا یہ ماجرا اور وہ ماجرا دونوں برابر ہیں یا نہیں بھلا پیشگوئیوں کو تھوڑی دیر کے لئے نظر انداز کر دو صرف ایک محقق بن کر عقلی طور پر ہی دیکھو کہ کیا اس زمانے کے مسلمانوں اور حضرت مسیح کے زمانہ کے یہودیوں کا معاملہ طابق النعل بالنعل کا مصداق ہے یا نہیں۔ انجیلوں کو غور کر کے دیکھو اور پڑھو کہ جو کچھ حضرت مسیح علیہ السلام نے یہود کے مولویوں اور فقیہوں کی نسبت حالات لکھے ہیں اور اُن کی خیانتیں ظاہر کی ہیں کیا حال کے مولویوں میں وہ پائے جاتے ہیں یا نہیں کیا یہ سچ ہے یا نہیں کہ ہمارے علماء بھی یہودیوں کے فقیہوں کی طرح دن رات عبث

جھگڑوں میں پڑے ہوئے ہیں اور روحانیت سے بکلی خالی ہوگئے ہیں اور دوسروں کو کافر ٹھہرانے میں کوشش کرتے اور آپ نہیں جانتے کہ اسلام کیا شئے ہے اور وہ ایسے وعظ کرتے ہیں جن پر آپ عمل نہیں کرتے اور روٹی کمانے کے لئے وعظ کا منصب اختیار کر کے دُور دراز نکل جاتے ہیں اور بے سند تنگ بندیوں سے لوگوں کو خوش کر کے مال حرام کھاتے ہیں اور مکر و فریب اور دغابازیوں میں یہودیوں سے کچھ کم نہیں رہے ایسا ہی دُنیاداروں کی حالت ہے کہ اکثر انکے دنیا کمانیکے لئے ہر یک خیانت اور دروغگوئی کو شیرِ مادر کی طرح حلال سمجھتے ہیں جو رئیس کہلاتے ہیں اور ٹوٹی پھوٹی ریاستیں اُنکے ہاتھ میں ہیں اُن کو عیاشیوں نے ہلاک کر دیا ہے۔ بہتیرے اُن میں سے شراب کو پانی کی طرح پیتے ہیں۔ زنا سے ذرا بھی کراہت نہیں کرتے۔ خداتعالیٰ کا خوف دن رات کے کسی حصہ میں بھی اُن کے نزدیک نہیں آتا۔ اب یہود کی تواریخ ہاتھ میں لیکر دیکھو کہ کس قدر ان مسلمانوں کو دین اور دُنیا کی تباہی میں اُن یہود سے اشد مشابہت ہے جو حضرت مسیح کے وقت میں تھے توریت میں یہود کی نسبت یہ پیشگوئی کی گئی تھی کہ جب تک سیلا نہ آوے اُنکی بادشاہی نہیں جائیگی سیلا سے مُراد حضرت مسیح تھے اور فی الواقع ایسا ہی ہُوا تھا کہ حضرت مسیح کی پیدائش سے بھی کچھ عرصہ پہلے یہود کی متفرق ریاستوں پر سلطنت رومیہ ٹوٹ پڑی ہوئی تھی اور چونکہ یہود اس زمانہ کے مسلمانوں کی طرح باہمی نفاقوں اور روز کے جھگڑوں اور کسل اور جہالت کے غلبہ سے ضعیف ہو چکے تھے اور اُنکی اندرونی حالت خود اُنکے لئے ایک بدفالی کی خبر دے رہی تھی اس لئے یہود نے حضرت مسیح کے زمانہ سے کچھ تھوڑا ہی پیشتر خود اپنے تئیں سلطنت رومیہ کے سپرد کر دیا تھا اور مشابہت کے لحاظ سے اِس امت میں بھی ایک سیلا کا آنا ضروری تھا جو عین دینی دنیوی تباہی کے وقت میں آوے۔

اور درحقیقت ایسی ہی پیشگوئی مسلمانوں کے اُس زمانہ کیلئے جو حضرت مسیح کے زمانہ سے بلحاظ مدت وغیرہ لوازم مشابہ تھا قرآن کریم نے بھی کی ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے من کلّ حدب ینسلون ای من کلّ حدب ینسلون الی الاسلام ویفسدون فی الارض ویتملکون بلاده ویجعلون اعزّۃ اھلھا اذلّۃ اس آیت کے یہی معنی ہیں کہ قوم نصاریٰ جو فرقہ یاجوج اور ماجوج ہو گا ہر یک بلندی

سے ممالک اسلام کیطرف دوڑیں گے اور ان کو غلبہ ہوگا اور بلاد اسلام کو وہ دباتے جائیں گے یہاں تک کہ سلطنت اسلام صرف بنام رہ جائے گی جیسا کہ آجکل ہے واقعات کے تطابق کو دیکھو کہ کیونکر اسلام کے مصائب اور مسلمانوں کی دینی اور دنیوی تباہی کا زمانہ یہودیوں کے اُس زمانہ سے مِل گیا ہے جو حضرت مسیح کے وقت میں تھا اور پھر دیکھو کہ قرآن کی پیشگوئی اسلامی سلطنت کے ضعف کے بارے میں اور مخالفوں کے غالب ہونے کی نسبت کیسی اس پیشگوئی سے انطباق پا گئی ہے جو اسرائیلی سلطنت کے زوال کے بارہ میں توریت میں کی گئی تھی۔ ہاں مجدد دین کی بشارت میں توریت کی پیشگوئی اور قرآن کی پیشگوئی میں صرف پیرایہ بیان کا فرق ہے یعنی توریت میں تو اسرائیلی قوت کے ٹوٹنے اور عصا کے جاتے رہنے کے وقت میں جس سے مُراد زوالِ سلطنت تھا، سیلا کے آنے کی بشارت دیگئی ہے مگر قرآن میں اسلامی طاقت کے کم ہونے اور امواج فتن کے اُٹھنے کے وقت جو عیسائی واعظوں کی دجالیت سے مُراد ہے نفخ صور کی خوشخبری دی گئی ہے اور نفخ صور سے مُراد قیامت نہیں ہے کیونکہ عیسائیوں کے امواج فتن کے پیدا ہونے پر تو سو برس سے زیادہ گذر گیا ہے مگر کوئی قیامت برپا نہیں ہوئی بلکہ مراد اِس سے یہ ہے کہ کسی ہادی اور مجدد کو بھیج کر ہدایت کی صُور پھونکی جائے اور ضلالت کے مُردوں میں پھر زندگی کی رُوح پھونک دی جاوے کیونکہ نفخ صور صرف جسمانی احیاء اور اماتت تک محدود نہیں ہے بلکہ رُوحانی احیاء اور اماتت بھی ہمیشہ نفخ صور کے ذریعہ سے ہی ہوتا ہے اور جیسا قرآن میں نفخ صور سے کسی مجدّد کا بھیجنا مُراد ہے تا عیسائی مذہب کے غلبہ کو توڑے ایسا ہی امواج فتن سے وہ دجالیّت مُراد ہے جو حدیثوں میں دجّال معہود کے نام پر بیان کی گئی ہے اور خدا تعالےٰ نے دجال معہود اور مسیح موعود کے لفظ کو جیسا کہ حدیثوں میں آیا ہے کہیں قرآن میں ذکر نہیں فرمایا بلکہ بجائے دجال کے نصاریٰ کی پُرفتن کارروائیوں کا ذکر کیا ہے چنانچہ من کل حدبٍ ینسلون بھی اسی کی طرف اشارہ ہے۔ ایسا ہی قرآن کریم میں آنے والے

دد کا بلفظ مسیح موعود کہیں ذکر نہیں بلکہ لفظ نفخ صور سے اُس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے
ا معلوم ہو کہ مسیح موعود ارضی اور زمینی ہتھیاروں کے ساتھ ظاہر نہیں ہوگا۔ بلکہ آسمانی
نفخ پر اُس کے اقبال اور عروج کا مدار ہوگا اور وہ پُرحکمت کلمات کی قوت سے اور آسمانی
نشانوں سے لوگوں کو حق اور سچائی کی طرف کھینچے گا کیونکہ وہ معقولی فتنوں کے وقت آئیگا
سیفی فتنوں کے وقت۔ اور اصل حقیقت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ ہر یک فتنہ کی طرز کے
موافق نبی اور مجدد کو بھیجتا ہے پس جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت میں یہودیوں کی
تمام قوتیں مسلوب ہو چکی تھیں اور اُن کے ہاتھ بجز مکر اور فریب اور زبانی باتوں کے اور
کچھ نہ تھا اور سلطنت رومیہ جس کے تحت میں وہ اپنی بدچلنیوں اور بد انتظامیوں کی جہت
سے خود آگئے تھے رومیوں کا بلحاظ ملک گیری کچھ قصور نہ تھا یہی حال قرآن کریم میں مسیح موعود
کے زمانہ میں لکھا گیا ہے مثلاً ہندوستان کے مسلمانوں کی نالائق حالت ایسی ہے کہ وہ کسی مصلح
کے پیدا ہونے پر تلوار سے اس کی نافرمانی نہیں کر سکتے کیونکہ خود تلواریں اُن کے پاس نہیں اور
دہلی کا تخت انگریزوں نے ایسا ہی لے لیا جیسا کہ یہودیوں کا تخت سلطنت رومیہ نے
تھے محض بادشاہوں کی بدچلنی اور نالیاقتی کی وجہ سے انگریزوں کا اس ملک گیری میں کچھ
قصور نہیں تا اِن پر تلوار اُٹھائی جاوے بلکہ از ماست کہ بر ماست کی مثال اس جگہ صادق
آتی ہے اسی وجہ سے اس صدی کا مجدد حضرت مسیح کے رنگ میں آیا اور بوجہ قوی مشابہت
کے مسیح موعود کہلایا۔ اور یہ نام کچھ بناوٹی نہیں بلکہ حالات موجودہ کے مطابقت کی وجہ سے اسی نام کی ضرورت پڑی۔

اور یاد رہے کہ قرآن کریم میں ایک جگہ مہمل کے لفظ کے ساتھ بھی مسیح موعود کی طرف
اشارہ ہے لیکن یہ سوال کہ انہی الفاظ کے ساتھ جو احادیث میں آئے ہیں کیوں قرآن میں ذکر نہیں کیا
گیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ تا پڑھنے والوں کو دھوکا نہ لگ جاوے کہ مسیح موعود سے مراد درحقیقت حضرت
عیسیٰ علیہ السلام ہی ہیں جن پر انجیل نازل ہوئی تھی اور ایسا ہی دجال سے کوئی خاص مفسد مراد ہو سو خدا تعالیٰ نے فرقان حمید
نے اِن تمام شبہات کو دُور کر دیا۔ اس طرح پر کہ اوّل نہایت تصریح اور توضیح سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی

وفات کی خبر دی جیسا کہ آیت فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْھِمْ
سے ظاہر ہے اور پھر ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا خاتم الانبیاء ہونا بھی ظاہر کر دیا جب
کہ فرمایا وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ۔ اور پھر یہودیوں کی بہت سی نافرمانیاں
جابجا ذکر کر کے متواتر طور پر اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ آخری حالت عام مسلمانوں اور
مسلمانوں کے علماء کی بھی ہو جائیگی۔ اور پھر ذکر کیا کہ آخری زمانہ میں غلبہ نصاریٰ کا ہوگا اور
اُن کے ہاتھ سے طرح طرح کے فساد پھیلیں گے اور ہر طرف سے امواج فتن اُٹھینگی اور
وہ ہر ایک بلندی سے دوڑینگی یعنی ہر یک طور سے وہ اپنی قوت اور اپنا عُروج اور اپنی
بلندی دکھلائینگی۔ ظاہری طاقت اور سلطنت میں بھی انکی بلندی ہوگی کہ اور حکومتیں اور ریاستیں
اُن کے مقابل پر کمزور ہو جائینگی اور علوم وفنون میں بھی ان کو بلندی حاصل ہوگی کہ طرح طرح
کے علوم وفنون ایجاد کرینگے اور نادر اور عجیب صنعتیں نکالیں گے اور مکاید اور تدابیر اور
حسن انتظام میں بھی بلندی ہوگی اور دنیوی مہمات میں اور اُن کے حصول کے لئے اُن کی
ہمتیں بھی بلند ہونگی اور اشاعت مذہب کی جدوجہد اور کوشش میں بھی وہ سب سے فائق
اور بلند ہونگے اور ایسا ہی تدابیر معاشرت اور تجارت اور ترقی کاشتکاری غرض ہر یک
بات میں ہر یک قوم پر فائق اور بلند ہو جائینگی یہی معنی ہیں مِنْ کُلِّ حَدَبٍ یَّنْسِلُوْنَ
کے کیونکہ حَدَب بالتحریک زمین بلند کو کہتے ہیں اور نسل کے معنی سبقت لے جانا اور دوڑنا
یعنی ہر ایک قوم سے ہر ایک بات میں جو شرف اور بلندی کی طرف منسوب ہو سکتی ہے سبقت
لے جائینگے اور یہی بھاری علامت اس آخری قوم کی ہے جس کا نام یاجوج ماجوج ہے۔ اور یہی علامت
پادریوں کے اُس گروہ پُرفتن کی ہے جس کا نام دجال معہود ہے اور چونکہ حدب زمین بلند کو کہتے
ہیں اس سے یہ اشارہ ہے کہ تمام زمینی بلندیاں ان کو نصیب ہونگی مگر آسمانی بلندی سے بے نصیب
ہونگے اور اس مقام سے ثابت ہوتا ہے کہ یہی قوم یاجوج وماجوج باعتبار اپنے ملکی عروج کے یاجوج
ماجوج سے موسوم ہے اور اسی قوم میں سے وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے ضلالت کے پھیلانے میں اپنی کوشش

نتہا کو پہنچائی ہیں۔ اور دجال اکبر سے موسوم ہو گئے اور خدا تعالیٰ نے ضلالت کے عروج کے
ر کے وقت فرمایا کہ اُس وقت نفخ صور ہوگا۔ اور تمام فرقے ایک ہی جگہ پر اکٹھے کیئے جائینگے
ر بعد اِن آیات کے جو جہنم کا ذکر ہے وہ قرآن کریم کے محاورہ کے بموجب الگ بیان ہے کیونکہ
قرآن کریم کا یہ عام محاورہ ہے کہ بعض اوقات دنیا کے کسی واقعہ کا ذکر کرتے کرتے کسی مناسبت
کی وجہ سے آخرت کا ذکر ساتھ ہی کیا جاتا ہے جیسا کہ قرآن شریف کو غور سے دیکھنے والے
اس متواتر محاورہ سے بے خبر نہیں ہیں۔

تیسرا شق ہماری اِن مباحث کا یہ تھا کہ اس بات پر کیا دلیل ہے کہ وہ مسیح موعود جس کا
قرآن اور احادیث میں مختلف پیرایوں میں ذکر ہے وہ یہی عاجز ہے سو میرے خیال میں
اس شق کے دلائل لکھنے میں زیادہ طول دینے کی حاجت نہیں۔ اِس بات کو ہم نے اِس رسالہ
میں ثابت کر دیا ہے کہ ایک شخص کا اِس اُمت میں سے مسیح علیہ السلام کے نام پر آنا ضروری
ہے کیوں ضروری ہے تین وجہ سے۔

اوّل۔ یہ کہ مماثلت تامہ کاملہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت موسیٰ علیہ السلام
سے جو آیت کَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا سے مفہوم ہوتی ہے اِس بات
کو چاہتی ہے وجہ یہ کہ آیت اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ
اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا صاف بتلا رہی ہے کہ جیسے حضرت موسیٰ اپنی اُمت
کی نیکی بدی پر شاہد تھے ایسا ہی ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم بھی شاہد ہیں مگر یہ شہادت
دوامی طور پر بجز صورت استخلاف کے حضرت موسیٰ کے لئے ممکن نہیں ہوئی یعنے خدا تعالےٰ
نے اِسی اتمام حجت کی غرض سے حضرت موسیٰ کے لئے چودہ سو برس تک خلیفوں کا سلسلہ مقرر کیا جو
درحقیقت توریت کے خادم اور حضرت موسیٰ کی شریعت کی تائید کے لئے آتے تھے تا خدا تعالیٰ
بذریعہ اِن خلیفوں کے حضرت موسیٰ کی شہادت کے سلسلہ کو کامل کر دیوے اور وہ اس لائق
ٹھیریں کہ قیامت کو تمام بنی اسرائیل کی نسبت خدا تعالیٰ کے سامنے شہادت دے سکیں۔ ایسا ہی اللہ

جلشانہ نے اسلامی اُمت کے کُل لوگوں کے لئے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شاہد ٹھہرایا ہے اور فرمایا انا ارسلنا الیکم رسولاً شاھداً علیکم اور فرمایا وجئنا بك علیٰ ھؤلاء شہیداً ۔ مگر ظاہر ہے کہ ظاہری طور پر تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف تئیس ۲۳ برس تک اپنی اُمت میں رہے پھر یہ سوال کہ دائمی طور پر وہ اپنی امت کے لئے کیونکر شاہد ٹھہر سکتے ہیں. یہی واقعی جواب رکھتا ہے کہ بطور استخلاف کے یعنے موسیٰ علیہ السلام کی مانند خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی قیامت تک خلیفے مقرر کر دئے اور خلیفوں کی شہادت بعینہٖ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت متصور ہوئی اور اس طرح پر مضمون آیت انا ارسلنا الیکم رسولاً شاھداً علیکم ہر یک پہلو سے درست ہوگیا۔ غرض شہادت دائمی کا عقیدہ جو نص قرآنی سے بتواتر ثابت اور تمام مسلمانوں کے نزدیک مسلّم ہے تبھی معقولی اور تحقیقی طور پر ثابت ہوتا ہے جب خلافت دائمی کو قبول کیا جائے اور یہ امر ہمارے مدعا کو ثابت کرنے والا ہے۔ فتدبّر۔

دوسری مماثلت تامہ کاملہ استخلاف محمدی کی استخلاف موسوی سے مسیح موعود کا آنا ضروری ٹھہراتی ہے جیسا کہ آیت مندرجہ ذیل سے مفہوم ہوتا ہے یعنے آیت وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصّٰلحٰت لیستخلفنّھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم صاف بتلا رہی ہے کہ ایک مجدد حضرت مسیح کے نام پر چودھویں صدی میں آنا ضروری ہے کیونکہ امر استخلاف محمدی امر استخلاف موسوی سے اسی حالت میں اکمل اور اتم مشابہت پیدا کر سکتا ہے کہ جبکہ اول زمانہ اور آخری زمانہ باہم نہایت درجہ کی مشابہت رکھتے ہوں اور آخری زمانہ کی مشابہت دو باتوں میں تھی ایک امت کا حال ابتر ہونا۔ اور دنیا کے اقبال میں ضعف آجانا۔ اور دینی دیانت اور ایمانداراری اور تقویٰ میں فرق آجانا۔ دوسرے ایسے زمانہ میں ایک مجدد کا پیدا ہونا جو مسیح موعود کے نام پر آئے اور ایمانی حالت کو پھر بحال کرے۔ سو پہلی علامت کو ہمارے بھائی مسلمان صرف قبول ہی نہیں کرتے

ان مسلمانوں کا ادبار اور ایک ایسی غیر قوم کا اقبال اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں جو اُن کے
مذہب کو ایسا ہی حقیر اور ذلیل سمجھتی ہے جیسا کہ مجوسی یہودیوں پر غالب آکر حضرت مسیح کے زمانہ
میں یہود کو حقیر اور ذلیل سمجھتے تھے اور یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ اندرونی حالت اسلام کے علماء
اور اسلام کے دنیاداروں کی یہودیوں کے حالات سے کچھ کم نہیں ہے بلکہ خیرے دہ چند
معلوم ہوتی ہے جب ہم قرآن کے پہلی ہی جزو میں ہی یہ آیتیں پڑھتے ہیں جو یہودیوں کے مولویوں کے
حق میں ہیں کہ تم لوگوں کو تو نیکی اور بھلائی کے لئے وعظ کرتے ہو اور اپنے تئیں بھول جاتے
ہو اور اپنے بھائیوں کے ستانے میں تم قصور نہیں کرتے اور طرح طرح کے لالچوں اور حرامکاریوں
اور بدکاریوں اور بدمنصوبوں اور دُنیا طلبی کے فریبوں میں مشغول ہو تو بے اختیار دل بول
اٹھتا ہے کہ یہ تمام آیتیں ہمارے اکثر مولویوں کے حق میں صادق آرہی ہیں۔

پھر جبکہ اُن متلازم علامتوں میں سے ایک علامت کا اِس زمانہ میں پایا جانا ہمارے
بھائیوں نے خود قبول کر لیا تو دوسری علامت کے قبول کرنے سے مُنہ پھیرنا بعینہٖ ایسی
ہی بات ہے کہ جیسے کوئی کہے کہ آفتاب بیشک نکلا ہوا ہے مگر ابھی دن نہیں چڑھا۔ بہرحال
ایک منصف دانا کو اِس بات کے ماننے سے چارہ نہیں ہوگا کہ آیاتِ قرآنی پر غور کے ساتھ
نظر کرنے سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ محمدی استخلاف کا سلسلہ موسوی استخلاف کے سلسلہ
سے بکلی مطابق ہونا چاہیئے جیسا کہ کما کے لفظ سے مفہوم ہوتا ہے اور جبکہ بکلی مطابق ہوا
تو اس اُمت میں بھی اُس کے آخری زمانہ میں جو قُرب قیامت کا زمانہ ہے حضرت عیسیٰ
کی مانند کوئی خلیفہ آنا چاہیئے کہ جو تلوار سے نہیں بلکہ رُوحانی تعلیم اور برکات سے اتمام
حجت کرے اور اس لحاظ سے کہ حضرت مسیح حضرت موسیٰ سے چودہ سو برس بعد آئے
یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ مسیح موعود کا اِس زمانہ میں ظہور کرنا ضروری ہو۔ اور خدا تعالیٰ
کے وعدوں میں تخلف نہیں تو اب دیکھنا چاہیئے کہ ایسے کتنے لوگ ہیں جنہوں
نے اِس زمانہ میں مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔ اگر فرض بھی کیا جائے کہ مثلاً مسلمانوں

ہیں سے اِس زمانہ میں دس آدمیوں نے دعویٰ کیا ہے تو اُن دس میں سے ایک ضرور صادق اور مسیح موعود ہوگا کیونکہ خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ نشان صادق کے وجود کو چاہتے ہیں۔

لیکن جس حالت میں بیس کروڑ مسلمانوں میں سے جو شام اور عرب اور عراق اور مصر اور ہند وغیرہ بلاد میں رہتے ہیں اس علامات کے زمانہ میں جو کتاب اللہ اور حدیث کی رُو سے مسیح موعود کے ظہور کا زمانہ ہے صرف ایک شخص نے مسلمانوں میں سے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہے تو ایسے مدعی کی تکذیب سے جو اپنے وقت پر ظاہر ہوا پیشگوئی کی تکذیب لازم آتی ہے چودھویں صدی کے سر پر مسیح موعود کا آنا جس قدر حدیثوں سے قرآن سے اولیاء کے مکاشفات سے بپایۂ ثبوت پہنچتا ہے حاجتِ بیان نہیں پھر جو دعویٰ اپنے محل اور موقع پر ہے اس کے رد کرنے سے تو ایک متقی آدمی کا بدن کانپ جاتا ہے غرض پہلی دلیل اس عاجز کی صداقت کی ایسے وقت میں دعویٰ کرنا ہے جس وقت کو سید الرسل صلے اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم اور اولیاء کے مکاشفات نے مسیح موعود کے ظہور کے لئے خاص کیا ہے جبکہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نبی آخرالزمان ٹھہرے اور پھر اُس آخرالزمان سے بھی تیرہ سو برس اور گذر گیا تو پھر اس حدیث کو سوچو جس میں منبر کے سات درجہ کو جو رؤیا میں دیکھا گیا دُنیا کا سات ہزار برس قرار دیا ہے اور خوب غور کرو۔ کہ کیا یہ زمانہ اُس حدیث کی رُو سے مسیح موعود کے لئے ضروری ہے یا نہیں۔ پھر حدیث الآیات بعد المائتین پر بھی خیال کرو جس سے علماء نے یہ نکالا ہے کہ تیرھویں صدی سے آیات کبریٰ قیامت کی شروع ہونگی کیونکہ اگر آیات سے آیات صغریٰ مُراد ہیں تو اس صورت میں بعد المائتین کی شرط لاحاصل ٹھہرتی ہے خود ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا وجود قیامت کی علامتوں میں سے ایک علامت ہے۔ پھر اگر حدیث کے یہ معنی کئے جائینگے کہ دو سو برس کے بعد علامات کبریٰ شروع ہونگی تو یہ صریح خلاف ہے کیونکہ دو سو برس کے بعد تو کوئی علامت شروع نہ ہوئی اس لئے

علماء نے اس حدیث میں مِأَتَیْن سے مُراد وہ دو سَو لیا ہے جو ہزار کے بعد آوے
یعنی بارہ سَو برس۔ اور اس تاویل میں علماء حق پر ہیں کیونکہ کچھ شک نہیں کہ بڑے بڑے
فتنے تیرھویں صدی میں ہی ظہور میں آئے اور دجالیت کا طوفان اسی صدی میں پھیلا
اور مِن کُلِّ حَدَبٍ یَنسِلُوْنَ کا تماشا بھی اسی صدی میں دیکھا گیا۔ صدہا اسلامی
ریاستیں خاک میں مل گئیں اور نصاریٰ نے خوب بلندی حاصل کی۔

اور یہ تیسرا شق بحث طلب کہ اگر درحقیقت کوئی مسیح موعود اس امت میں سے
آنے والا ہے تو اسپر کیا دلیل ہے کہ وہ مسیح یہی عاجز ہے اس کے بعض قرائنی دلائل تو
ابھی ہم تحریر کر چکے ہیں حاجت اعادہ نہیں لیکن خاص طور کے دلائل اگر طلب ہوں تو سائل
کو ذرہ صبر کرنا چاہیئے تا خود خدا تعالیٰ اپنے بندے کی تائید میں دلائل نازل کرے اصل
بات یہ ہے کہ ایسے دعاوی صرف معقولی یا منقولی دلائل سے کامل طور پر بپایۂ ثبوت
نہیں پہنچ سکتے جب تک شخص مدعی کے برکات آسمانی تائیدات سے ثابت نہ ہوں اور
یہی سنت خدا تعالیٰ کی قدیم سے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ جاری چلی آئی ہے مثلاً ہمارے
سید و مولیٰ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں اگرچہ پہلی کتابوں میں پیش از وقت خبریں دی
گئیں تھیں۔ اور پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خود ایسے زمانہ میں تشریف لائے کہ وہ زمانہ
ایک عظیم الشان رسول کے مبعوث ہونے کا محتاج ہو رہا تھا لیکن باوجود ان
سب باتوں کے خدا تعالےٰ نے اپنے سچے نبی کی سچائی ثابت کرنے کے لئے پہلی
پیشگوئیوں پر اکتفا نہ کی اور نہ دوسرے قرائن کو مکتفی سمجھا بلکہ بہت سے
آسمانی نشان اس پاک نبی کی تصدیق کے لئے نازل کئے۔ یہاں تک کہ اس
نبی کریم کا سچا ہونا کھل گیا۔ اور آفتاب کی طرح نور صداقت چمک اٹھا۔

سو اسی طرح سمجھنا چاہیئے کہ اگر یہ عاجز خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اپنے اقوال میں صادق ہے
تو خدا تعالیٰ اپنی خاص مددوں سے اس عاجز کی سچائی کو ظاہر کر دیگا۔ اور اپنے خاص نشانوں سے دنیا پر روشن

کردے گا کہ یہ عاجز اس کی طرف سے ہے نہ اپنے منصوبوں سے۔ پھر جس حالت میں آسمانی نشانوں کے ذریعہ سے اپنے دعوے میں صادق ہونا ثابت ہو جائے تو پھر بعد اس کے کوئی وجہ انکار باقی نہیں رہ سکتی کیونکہ آسمانی نشان وہ چیز ہے جس سے بڑی بڑی نبوتیں ثابت ہو گئی ہیں رسالتیں ثابت ہو گئیں ہیں۔ کتابوں کا خدا تعالیٰ کا کلام ہونا ثابت ہو گیا ہے پھر ان کے ذریعہ سے مثیل مسیح ہونا کیوں ثابت نہ ہو سکے غرض خدا تعالیٰ جس طور سے اپنے صادق بندوں کی صداقت ثابت کرتا آیا ہے اسی طور سے اس عاجز کی صداقت بھی ثابت کرے گا۔ دیکھنا چاہیئے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی نبوت کے ماننے کے بارے میں کس قدر مشکلات یہودیوں کو پیش آگئی تھیں پہلی کتابوں میں لکھا تھا کہ عیسیٰ بادشاہ ہو کر آئے گا۔ مگر مسیح ایک غریب مسکین کی صورت میں پیدا ہوا پہلی کتابوں میں درج تھا کہ اُس کے آنے سے یہودیوں کے ایام اقبال پھر عود کریں گے اور یہودی اس خیال میں لگے ہوئے تھے کہ وہ سلطنت رومیہ کے ساتھ لڑے گا اور اسرائیل کی بادشاہت کو پھر قائم کرے گا مگر معاملہ برعکس ہوا اور یہودی اور بھی مصیبت اور ذلت میں پڑے۔ ایسا ہی پہلی کتابوں میں لکھا تھا کہ وہ نہیں آئے گا جب تک ایلیا نبی دوبارہ دُنیا میں نہ آلیوے۔ اِس لئے یہودی منتظر تھے کہ ایلیا کب آسمان سے نازل ہوتا ہے لیکن ایلیا نازل نہ ہوا۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعویٰ کر دیا کہ مسیح موعود میں ہی ہوں اور یہ بھی کہا کہ یحییٰ نبی ہی ایلیا ہے۔ مگر یہ تاویل یہودیوں کی نظر میں پسندیدہ نہ تھی بلکہ وہ اسی طرح حضرت ایلیا کے نزول کے منتظر تھے جیسا کہ آجکل حضرت عیسیٰ کے نزول کے مسلمان منتظر ہیں لیکن باوجود اِن سب روکوں کے جو درحقیقت سخت روکیں تھیں خدا تعالےٰ نے اپنے سچے نبی کو ضائع نہ کیا اور بہت سے نشانوں سے ثابت کر دیا کہ وہ صادق ہے جس سے بالضرورت نتیجہ نکالنا پڑا کہ مسیح موعود وہی ہے جو آخر سچا مانا گیا۔

سو عزیزو یقیناً سمجھو کہ صادق کی صداقت ظاہر کرنیکے لئے خدا تعالیٰ کے قدیم قانون میں ایک ہی

ہے اور وہ یہ کہ آسمانی نشانوں سے ایسا ثابت کر دیوے کہ خدا تعالےٰ اُس کے
تھ ہے اور وہ خدا تعالیٰ کا مقبول ہے۔ اب سوچو کہ اس عاجز کی طرف سے مسیح موعود
نے کا دعویٰ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے دعوے سے کچھ بڑا نہیں ہے پھر ذرا غور
کہ یہ تمام بزرگوار نبی کیونکر دُنیا میں تسلیم کئے گئے کیا بذریعہ آسمانی برکات اور تائیدات
یا کوئی اور طریق تھا سو سمجھو کہ خدا تعالیٰ کی قدیم سنت میں تغییر و تبدیل نہیں اگر یہ
جز خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے اور صرف افترا اور جعلسازی ہے تو انجام بہتر
یں ہو گا۔ اور خدا تعالیٰ ذلت کے ساتھ ہلاک کرے گا۔ اور پھر ابد الدہر تک لعن طعن
نشانہ بنائے رکھے گا کیونکہ اس سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں کہ ایک شخص کہے کہ میں
جانب اللہ بھیجا گیا ہوں اور در اصل نہیں بھیجا گیا اور کہے کہ میں خدا تعالیٰ کے
کالمہ سے مشرف ہوں اور اس کا کلام میرے دل پر اُترتا ہے اور میری زبان پر جاری
ہوتا ہے حالانکہ نہ کبھی اس سے خدا تعالیٰ کا مکالمہ واقع ہوا اور نہ کبھی خدا تعالیٰ
کلام اس کے دل پر اُترا اور نہ کبھی اُس کی زبان پر جاری ہوا الا لعنۃ اللہ علی
لکاذبین الذین یفترون علی اللہ وھم فی الدنیا والآخرۃ من المخذولین۔

لیکن اگر یہ عاجز خدا تعالےٰ کی طرف سے ہے اور اس نے مجھ کو بھیجا ہے اور اُسی کی طرف
سے وہ کلام ہے جس کا مجھ کو الہام ہوتا ہے تو میں ہرگز ضائع نہ کیا جاؤں گا اور میں ہلاک
نہیں ہوں گا بلکہ خدا تعالےٰ اُسے ہلاک کرے گا جو میرے مقابل پر اُٹھے گا اور میرا
بذراہ ہو گا۔ میں متعجب ہوں کہ لوگ مسیح موعود کے لفظ کو کیوں عجیب سمجھتے ہیں اور اس کا ثبوت
یوں مجھ سے مانگتے ہیں حالانکہ عند العقل یہ بات ممتنعات میں سے نہیں ہے کہ مسیح کی طرز پر
اس امت میں بھی جو مثیل اُمت موسیٰ ہے کوئی پیدا ہو یہ بات فلاسفروں کے نزدیک
بھی مسلم ہے کہ وجود بنی آدم دوری ہے اور یہی سنت اللہ اور قانونِ قدرت سے ثابت
ہوا ہے کہ اس دُنیا میں بعض بعض کے شبیہ پیدا ہو جاتے ہیں نیکوں کے شبیہ بھی پیدا ہوتے رہتے ہیں

اور بدوں کے بھی۔ ہاں منجانب اللہ ہونے کا ثبوت مانگنا چاہیے اُس ثبوت کے ذیل میں تمام ثبوت آجاتے ہیں دیکھو ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے جب لوگوں پر ظاہر کیا کہ میں مثیل موسیٰ ہوں اور خدا تعالیٰ کا رسول ہوں تو جن پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ثابت ہو گئی اُن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مثیل موسیٰ ہونے میں شک نہ رہا اور جیسا کہ وہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لائے ایسا مثیل ہونے پر لائے سو منجانب اللہ اور سچے مُلہم ہونے کا ثبوت تمام ثبوتوں کی جڑ ہے مثلاً نبی پر جو کتاب نازل ہوتی ہے اس کے فقرہ فقرہ کا ثبوت کوئی نہیں مانگتا بلکہ رسالت کے ثابت ہونے سے خود وہ تمام واقعات ثابت ہو جاتے ہیں۔ عزیزو! یہ بات تو نہیں کہ خدا تعالیٰ میرے لئے کوئی نرالا قانون بنانا چاہتا ہے خدا تعالیٰ کے قدیم قانون کو دیکھو اور اُس کے مطابق سوال کرو۔

پھر ماسوا اِس کے آجکی تاریخ تک جو گیارہ ربیع الاول ۱۳۱۱ھ مطابق ۲۲ ستمبر ۱۸۹۳ء اور نیز مطابق ہشتم اسوج سمت ۱۹۵۰ اور روز جمعہ ہے اس عاجز سے تین ہزار سے کچھ زیادہ ایسے نشان ظاہر ہو چکے ہیں جن کے صدہا آدمی گواہ بلکہ بعض پیشگوئیوں کے پورا ہونے کے تو ہزارہا ہندو اور عیسائی اور دوسرے مخالف مذہب گواہ ہیں اور اگر تحقیق کی رو سے دیکھو تو بعض نشان ایسے بھی ہیں کہ جنھیں لاکھ ہا دشمن دین اسلام اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر چکے ہیں اور اب تک وہ لوگ زندہ موجود ہیں جنہوں نے بکثرت ایسے نشان ملاحظہ کئے جو انسانی طاقتوں سے بالاتر ہیں اور ایسے بھی صدہا موجود ہیں جنہوں نے دعاؤں کے قبول ہونے کی پیش از وقت خبر سنی اور پھر اس امر کو جیسا کہ بیان کیا گیا تھا ظاہر ہوتے بھی دیکھ لیا۔ اور ایسے ہی سولہ ہزار کے قریب لوگ ہندوستان اور انگلستان اور جرمن اور فرانس اور روس اور روم میں پنڈتوں اور یہودیوں کے فقیہوں اور مجوسیوں کے پیشروؤں اور عیسائیوں کے پادریوں اور قسیسوں اور بشپوں میں سے موجود ہیں جن کو رجسٹری کرا کر اس مضمون کے خط بھیجے گئے کہ درحقیقت دُنیا میں دین اسلام ہی سچا ہے اور دوسرے تمام دین اصلیت اور حقانیت سے دُور جا پڑے ہیں کسی کو مخالفوں

ے اگر شک ہو تو ہمارے مقابل پر آوے اور ایک سال تک رہ کر دین اسلام کے نشان ہم سے
حظہ کرے اور اگر ہم خطا پر نکلیں تو ہم سے بحساب دو سو روپیہ ماہواری ہرجانہ اپنے ایک مس
لیلے ورنہ ہم اُس سے کچھ نہیں مانگتے صرف دین اِسلام قبول کرے اور اگر چاہے تو اپنی تسلّی کے لئے
رو پیہ کسی بنک میں جمع کرالے لیکن کسی نے اِس طرف رُخ نہ کیا۔ اب ایک دانا سوچ سکتا ہے
اگر یہ عاجز خدا تعالیٰ کی نصرت پر ایسا کامل یقین نہ رکھتا کہ جو متواتر مشاہدات اور ذاتی تجارب
ے بعد ہوتا ہے تو کیونکر ممکن ہوتا کہ اسلام کے تمام مخالفوں کے مقابل پر یعنے ان لوگوں کے مقابل
جو روئے زمین پر نامی مخالف مذہب اور اپنی قوموں کے مقتدی تھے اکیلا کھڑا ہو جاتا۔ ظاہر
ے کہ ضعیف البنیان انسان اپنے نفس میں ہرگز ایسی طاقت نہیں رکھتا کہ سارے جہان کا مقابلہ
سکے۔ پھر بجز اپنے کامل یقین اور ذاتی تجارب کے اور کیا چیز تھی جس نے اس پیشقدمی کے
ئے اس عاجز کو جرأت بخشی۔ اور نہ صرف زبانی بلکہ دو ہزار روپیہ کے قریب ان اشتہارات
ے طبع میں جو انگریزی اور اردو میں چھاپے گئے تھے اور ایسا ہی اُن کی روانگی میں جو ہندوستان
ر یورپ کے ملکوں کی طرف رجسٹری کرا کر خط بھیجے جاتے تھے خرچ ہوا۔ مگر کسی کو جرأت نہ
ہوئی کہ مقابل پر آوے اور دشمنوں کے دلوں پر ہیبت پڑنا یہ بھی ایک نشان تھا۔ امتحان
ے طور پر اس زمانہ کے کسی پادری صاحب وغیرہ کو پوچھ کر دیکھو کہ کیا دعوت اسلام کے لئے
جسٹری شدہ خط اُن کے پاس نہیں پہنچا۔ پھر سوچ لو کہ جو شخص کئی ہزار روپیہ صرف اشتہارات
ی طبع اور اُن کے مصارف روانگی میں خرچ کرے اور دشمن کے لئے ایک رقم کثیر بطور
نعام بصورت فتح دشمن مقرر کرے کیا عند العقل ایسے شخص کا صرف جھوٹ اور کذاب اور
فتزار پر مدار ہو سکتا ہے کیا آج تک دنیا میں کوئی ایسا مفتری کتابوں میں پڑھا گیا یا
سنا گیا یا دیکھا گیا بھلا کوئی نظیر تو دو۔ عزیزو یقیناً سمجھو کہ جب تک خدا کسی کے ساتھ نہ
ہو یہ استقامت اور یہ شجاعت اور یہ بذل مال ہرگز وقوع میں آ ہی نہیں سکتے کبھی کسی
نے اس زمانہ کے کسی مولوی کو دیکھا یا سنا کہ اُس نے دعوت اسلام کے لئے کسی اسسٹنٹ کمشنر انگریز کیطرف ہی کوئی

خط بھیجا لیکن اس جگہ نہ صرف اس قدر بلکہ پارلیمنٹ لنڈن اور شاہزادہ ولیعہد ملکہ معظمہ اور شہزادہ
بسمارک کی خدمت میں بھی دعوت اسلام کے اشتہار اور خطوط بھیجے گئے جن کی رسیدیں اب تک
موجود ہیں۔ ان اشتہارات میں جن کے شائع کرنے پر قریباً عرصہ دس برس کا گذر چکا ہے یہ
بھی لکھا گیا تھا کہ یہ عاجز حضرت مسیح ابن مریم سے ان کے کمالات میں مشابہ ہے اور سوچنے
والے کے لئے یہ ایک اور دلیل اس عاجز کی سچائی پر ہے کیونکہ اگر مثیل مسیح ہونے کا دعوے
صرف انسان کا منصوبہ ہوتا اور خدا تعالیٰ کی طرف سے الہام نہ ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ مسیح موعود
کے دعوے کرنے سے دس برس بلکہ بارہ برس پہلے اُس دعوے کے مؤید متواتر الہامات اپنی طرف
سے شائع کئے جاتے کیونکہ ہر یک شخص سمجھ سکتا ہے کہ عادتاً انسان میں اتنی پیش بندیوں کی
طاقت نہیں کہ جو کام یا دعویٰ ابھی بارہ برس کے بعد ظہور میں آنا ہے پہلے ہی سے اس کی
بُنیاد قائم کی جائے۔ اور پھر تعجب پر تعجب یہ کہ خدا تعالیٰ ایسے ظالم مفتری کو اتنی لمبی مہلت
بھی دے جسے آج تک بارہ برس گذر چکے ہوں اور مفتری ایسا اپنے افترا میں بیباک
ہو جس نے پہلے ہی سے ارادہ کیا ہو جو بارہ برس کے بعد ایسا دعویٰ کرونگا اور اُس دعویٰ کی بنیاد بارہ برس
پہلے ہی یہ رکھی ہو کہ میں ضرور مثیل مسیح ہوں اور نہ صرف یونہی بلکہ الہام کے حوالہ سے اپنے تئیں
مثیل مسیح قرار دیا ہو اور کمالات میں اُس کے مشابہ اپنے تئیں ٹھہرایا ہو اور اُس کے جوہر ذاتی
کا ایک ٹکڑا اپنے تئیں سمجھا ہو اور پھر اسی پر بس نہیں کی بلکہ علانیہ اور واشگاف طور پر بارہ برس
پہلے اپنے دعویٰ مسیح ہونے سے اپنی کتاب میں (دیکھئے براہین احمدیہ میں) یہ شائع کیا ہو کہ خدا تعالیٰ
نے میرا نام عیسیٰ رکھ دیا ہے اور مجھ کو وعدہ دیا ہے کہ میں تجھے تیری طبعی موت سے ماروں گا اور پھر اپنی طرف
تجھے اُٹھا لوں گا اور منکروں کے تمام الزاموں سے تجھے بری کرونگا اور تیرے تابعین کو قیامت تک تیرے
دشمنوں پر غالب رکھوں گا اور خدا تعالیٰ اُس کو نہ صرف مہلت بلکہ الہامی نشانوں سے اسکی مدد بھی کرے اور
اُسکے لئے ایک جماعت طیار کردے حالانکہ وہ خود قرآن کریم میں فرماتا ہے میں مفتری کو مدد نہیں دیتا
اور وہ جلد ہلاک کیا جاتا ہے اور اسکی جماعت متفرق کی جاتی ہے جبکہ سید الرسل کو اُس نے کہا کہ اگر تو

یک فرہ افترا کرتا تو تیری شاہ رگ کاٹ دی جاتی پس اگر یہ بات سچ نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ مفتری
کو جو جھوٹا مرسل بنکر خلق اللہ کو گمراہ کرنا چاہتا ہے بہت جلد پکڑ لیتا ہے تو اس صورت میں نعوذ باللہ
آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت بھی یہ استدلال صحیح نہیں ہو سکتا کہ آنحضرت نعوذ باللہ
مفتری ہوتے تو خدا تعالیٰ اُن کو پکڑتا پھر باوجود اس لمبی مہلت اور خدا تعالیٰ کی صدہا تائیدوں
اور صدہا نشانوں کے مخالفوں نے بھی اس عاجز پر نزول عذاب کے لئے ہزارہا دُعائیں کیں
اور اپنے مباہلہ میں بھی رو رو کر اس عاجز پر عذاب نازل ہونا چاہا مگر بجز رُسوائی اور ذلت کے
اُن کو کچھ بھی نصیب نہ ہوا اور اللہ جلشانہ جانتا ہے کہ ہم نے کسی مباہلہ میں کسی دشمن پر عذاب
نازل ہونا نہیں چاہا۔ اور نہ عبدالحق غزنوی کے لیے جس نے بمقام امرتسر مباہلہ کیا تھا اُسکی
موت کے لئے بددُعا کی مگر اُس نے بہت کچھ جزع فزع کیا اور ہمارا مدعا مباہلہ سے یہی تھا
اور اب تک یہی ہے کہ آسمانی نشانیاں اس عاجز کی تائید میں عام طور پر ظاہر ہوں اور
مخالف مباہل کی ذلت اور رُسوائی کے لئے اتنا ہی کافی ہوگا کہ خدا تعالیٰ ہر ایک مقام
میں ہماری فتح ظاہر کرے۔ غرض یہ تمام صداقت کے نشان ہیں مگر اُس کے لئے جو غور کرے
افسوس کہ مجھ سے بار بار پُوچھا جاتا ہے کہ تمہارے دعویٰ مسیح موعود ہونے پر دلیل کیا ہے
مگر ایسے لوگ نہیں سمجھتے کہ حضرت عیسیٰ کے موعود ہونے پر اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم
کے خاتم النبیین موعود ہونے پر کیا دلیل تھی کیا یہی نہ تھی کہ بہت سے نشانوں سے خدا تعالےٰ
اُن کا صادق ہونا ثابت کر دیا اور حضرت مسیح کو گو یہودیوں نے قبول نہ کیا۔ اور آجتک
یہی کہتے ہیں کہ وہ مسیح موعود نہ تھا مگر اُن کے معجزات اور نشانوں سے انکا منجانب اللہ
ہونا ثابت ہو گیا ٭ ضروری مطالبہ تو صادق اور منجانب اللہ ہونے پر ہوتا ہے اور

٭ حاشیہ۔ ایک صاحب ہدایت اللہ نام جنہوں نے انکار معجزات عیسوی کا الزام اس عاجز کو دیکر ایک رسالہ بھی شائع کیا
ہے وہ اپنے زعم میں ہماری کتاب ازالہ اوہام کی بعض عبارتوں سے یہ نکالتے ہیں کہ گویا ہم نعوذ باللہ سرے سے حضرت
مسیح علیہ السلام کے معجزات کے منکر ہیں مگر واضح رہے کہ ایسے لوگوں کی اپنی نظر اور فہم کی غلطی ہو ہمیں حضرت مسیح علیہ السلام

تثلیث کا ثبوت تو اسی کے ذیل میں آجاتا ہے باوجود اسکے تمام لوازم موجودہ بلند آواز سے یہی پکار رہے ہیں کہ اس صدی کا مجدد مسیح موعود ہو کیونکہ خدا تعالیٰ کی پاک کلام نے جو مسیح موعود کے زمانہ کے نشان ٹھہرائے تھے وہ سب اس زمانہ میں پورے ہو گئے ہیں کیا تم نہیں دیکھتے کہ عیسائی سلطنت تمام دنیا کی ریاستوں کو نگلتی جاتی ہے اور ہر ایک نوع کی بلندی انکو حاصل ہے اور من کل حدب ینسلون

صاحب معجزات ہونے سے انکار نہیں بیشک اُن سے بھی بعض معجزات ظہور میں آئے ہیں اور گو انجیل کے دیکھنے سے اُنکے معجزات پر بہت کچھ دھبہ لگتا ہے جیسا کہ تالاب کے قصہ اور خود اُنکے بار بار انکار سے کہ میں صاحب معجزات نہیں مگر ہمیں انجیل سے کیا کام۔ قرآن کریم سے بہر حال ثابت ہوتا ہے کہ بعض نشان اُن کو دیئے گئے تھے ہاں ہمارے کم توجہ علماء کی یہ غلطی ہے کہ اُن کی نسبت وہ گمان کرتے ہیں کہ گویا وہ بھی خالق العالمین کی طرح کسی جانور کا قالب تیار کر کے پھر اُس میں پھونک مارتے تھے اور وہ زندہ ہو کر اُڑ جاتا اور مردہ پر ہاتھ رکھتے تھے اور وہ زندہ ہو کر چلنے پھرنے لگتا تھا۔ اور غیب دانی کی بھی اُن میں طاقت تھی اور اب تک مرے بھی نہیں مع جسم آسمان پر موجود ہیں اور اگر یہ باتیں جو ان کی طرف نسبت دی گئی ہیں صحیح ہوں تو پھر اُن کے خالق العالم اور عالم الغیب اور محی اموات ہونے میں کیا شک رہا پس اگر اس صورت میں کوئی عیسائی ان کی اُلوہیت پر استدلال کرے۔ اس بناء پر کہ لوازم شئ کا پایا جانا وجود شئ کو مستلزم ہے تو ہمارے بھائی مسلمانوں کے پاس اِس کا کیا جواب ہے اگر کہیں کہ دُعا سے ایسے معجزات ظہور میں آتے تھے تو یہ کلام الٰہی پر زیادت ہے کیونکہ قرآن کریم سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ مثلاً پھونک مارنے سے وہ چیز بو [illegible] طیر کی طرح بنائی جاتی تھی اُڑنے لگتی تھی۔ دُعا کا تو قرآن کریم میں کہیں بھی ذکر نہیں۔ اور نہ یہ ذکر ہے کہ اُس ہیئت [illegible]یر میں درحقیقت جان پڑ جاتی تھی۔ یہ تو نہیں چاہیئے کہ اپنی طرف سے کلام الٰہی پر کچھ زیادت کریں یہی تو تحریف ہے جس کی وجہ سے یہودیوں پر لعنت ہوئی۔ پھر جس حالت میں جان پڑنا ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ معالم التنزیل اور بہت سی اور تفسیروں سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ ہیئت طیر تھوڑی دیر اُڑ کر پھر مٹی کی طرح زمین پر گر پڑتی تھی تو بجز اُس کے اور کیا سمجھا جائے کہ وہ دراصل مٹی کی مٹی ہی تھی۔ اور جس طرح مٹی کے کھلونے انسانی کلوں سے

بقیہ حاشیہ

کا مصداق ہیں اور اسلام کی دینی دُنیوی حالت ایسی ہی ابتر ہوگئی ہے جیسا کہ حضرت مسیح
علیہ السلام کے وقت میں یہودیوں کی حالت ابتر تھی اور جیسا کہ مسیح ایسے وقت میں
آیا۔ کہ اُس وقت دین کے لئے تلوار اُٹھانا بالکل نامناسب تھا وجہ یہ کہ یہودی اپنی
بدچلنی سے اپنے ملک کو کھو بیٹھے تھے اور رومی سلطنت کا ملک گیری میں کچھ قصور
نہ تھا تا اُن پر تلوار اُٹھائی جاتی۔ یہی حال آجکل ہے کہ مسلمانوں کے بادشاہوں نے
آپ بے اعتدالیاں کر کے اور نالائق عیشوں میں مبتلا ہو کر اپنا ملک کھویا بلکہ اُن
میں ملک داری کی لیاقت ہی باقی نہ رہی سو خدا تعالٰے نے انگریزوں کو ملک دیا اور
انھوں نے ملک لے کر کچھ ظلم نہ کیا۔ کسی کا نماز روزہ بند نہ کر دیا۔ کسی کو حج جانے سے
منع نہ کیا بلکہ عام آزادی اور امن قائم کیا پھر اُن پر باوجود محسن ہونے کے کیونکر خدائے کریم و رحیم
تلوار اُٹھانے کا فتویٰ دیتا کیا اُس کے پاس دین پھیلانے کا ذریعہ صرف ظاہری تلوار تھی
رُوحانی تلوار نہ تھی پھر اسپر طرہ یہ کہ اس وقت تلوار کا ایمان کچھ معتبر نہیں انگریزوں
نے تلوار سے کسی کو اپنے مذہب میں داخل نہیں کیا تا تلوار کا جواب تلوار ہوتا بلکہ لوگ
نئے فلسفہ اور نئے طبعی اور پادریوں کے وساوس سے ہلاک ہوگئے۔ سو اس کا جواب اسلام کی حقانیت کا ثبوت دینا ہے

چلتے پھرتے ہیں وہ ایک نبی کی رُوح کی سرایت سے پرواز کرتے تھے ورنہ حقیقی خالقیت کے ماننے سے
عظیم الشان فساد اور شرک لازم آتا ہے غرض تو معجزہ ہے اور بیجان کا باوجود بیجان ہونے کے پرواز یہ بڑا معجزہ ہے
ہاں اگر قرآن کریم کی کسی قرأت میں اس موقعہ پر فیکون حیا کا لفظ موجود ہے یا تاریخی طور پر ثابت ہے کہ درحقیقت
وہ زندہ ہو جاتے تھے اور انڈے بھی دیتے تھے اور اب تک اُن کی نسل بھی بہت سے پرندے موجود ہیں تو پھر
ان کا ثبوت دینا چاہیئے۔ اللہ تعالٰے قرآن میں فرماتا ہے کہ اگر تمام دنیا چاہے کہ ایک مکھی بنا سکے تو نہیں بن
سکتی۔ کیونکہ اس سے تشابہ فی خلق اللہ لازم آتا ہے اور یہ کہنا کہ خدا تعالٰے نے آپ ان کو خالق ہونے
کا اذن دے رکھا تھا یہ خدا تعالیٰ پر افترا ہے کلام الٰہی میں تناقض نہیں خدا تعالٰے کسی کو ایسے اذن
نہیں دیا کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے سید الرسل صلے اللہ علیہ وسلم کو ایک مکھی بنانے کا بھی اذن نہ دیا۔ پھر مریم کے
بیٹے کو یہ اذن کیونکر حاصل ہوا خدا تعالیٰ سے ڈرو اور مجاز کو حقیقت پر حمل نہ کرو۔ منہ

نہ یہ کہ لوگوں پر تلوار چلانا۔ لہذا خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کی حالت کے ہر رنگ پا کر اُن کے لئے حضرت مسیح کی مانند بغیر سیف و سنان کے مصلح بھیجا اور اُس مصلح کو جاہلیت کے دُور کرنے کے لئے صرف آسمانی حربہ دیا اور جیسا کہ عیسٰی عند منارۃ دمشق کے لفظوں سے چودہ سَو کا عدد مفہوم ہوتا ہے وہ مسیح موعود چودھویں صدی کے سر پر آیا اور جیسا کہ اٰخرین منھم لما یلحقوا بھم کے عدد سے ۱۲۷۵ نکلتے ہیں اسی زمانہ میں وہ اصلاح خلق کے لئے طیار کیا گیا۔ اور جیسا کہ قرآن کریم نے بشارت دی کہ امواج فتن نصاریٰ کے وقت میں نفخ صور ہوگا۔ ایسا ہی اُس کا ظہور ہوا۔ اور کئی بندگان خدا نے الہام پاکر اُس کے ظہور سے پہلے اُس کے آنے کی خبر دی۔ بلکہ بعض نے بتیس برس پہلے اُس کے ظہور سے اُس کا نام بتلایا۔ اور یہ کہا کہ مسیح موعود وہی ہے اور اصل عیسٰی فوت ہو چکا ہے اور بہت سے صاحب مکاشفات نے چودہویں صدی کو مسیح موعود کے آنے کا زمانہ قرار دیا۔ اور اپنے الہامات لکھ گئے۔ اب اسکے بعد ایسے امور میں جو ہیں ایمان بالغیب کی بھی کچھ گنجایش رکھ لینی چاہیئے اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے

پھر ماسوا اس کے بعض اور عظیم الشان نشان اِس عاجز کی طرف سے معرض امتحان میں ہیں جیسا کہ منشی عبد اللہ آتھم صاحب امرتسری کی نسبت پیشگوئی جس کی میعاد ۵ جون ۱۸۹۳ء سے پندرہ مہینہ تک۔ اور پنڈت لیکھرام پشاوری کی موت کی نسبت پیشگوئی جسکی میعاد ۱۸۹۳ء سے چھ سال تک ہے۔ اور پھر مرزا احمد بیگ ہوشیارپوری کے داماد کی موت کی نسبت پیشگوئی جو پٹی ضلع لاہور کا باشندہ ہے جسکی میعاد آجکی تاریخ سے جو اکیس ستمبر ۱۸۹۳ء ہے قریباً گیارہ مہینے باقی رہ گئی ہے یہ تمام امور جو انسانی طاقتوں سے بالکل بالاتر ہیں ایک صادق یا کاذب کی شناخت کے لئے کافی ہیں کیونکہ احیا اور اماتت دونوں خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہیں اور جب تک کوئی شخص نہایت درجہ کا مقبول نہ ہو خدا تعالیٰ اُس کی خاطر سے کسی اُس کے دشمن کو اُسکی دُعا سے ہلاک نہیں کر سکتا خصوصاً ایسے موقع پر کہ وہ شخص اپنے تئیں منجانب اللہ قرار دیوے۔ اور اپنی اُس کرامت کو اپنے صادق ہونے کی دلیل ٹھہراوے۔ سو پیشگوئیاں کوئی معمولی بات نہیں کوئی ایسی بات نہیں جو انسان کے

اختیار میں ہو بلکہ محض اللہ جلشانہ کے اختیار میں ہیں بسو اگر کوئی طالب حق ہے توان پیشگوئیوں کے وقتوں کا انتظار کرے۔ یہ تینوں پیشگوئیاں ہندوستان اور پنجاب کی تینوں بڑی قوموں پر حاوی ہیں یعنی ایک مسلمانوں سے تعلق رکھتی ہے اور ایک ہندوؤں سے۔ اور ایک عیسائیوں سے۔ اوران میں وہ پیشگوئی جو مسلمان قوم سے تعلق رکھتی ہے بہت ہی عظیم الشان ہے کیونکہ اس کے اجزا یہ ہیں (۱) کہ مرزا احمد بیگ ہوشیار پوری تین سال کے میعاد کے اندر فوت ہو (۲) اور پھر داماد اس کا جو اسکی دختر کلاں کا شوہر ہے اڑھائی سال کے اندر فوت ہو (۳) اور پھر یہ کہ مرزا احمد بیگ تا روز شادی دختر کلاں فوت نہ ہو (۴) اور پھر یہ کہ وہ دختر بھی تا نکاح اور تا ایام بیوہ ہونے اور نکاح ثانی کے فوت نہ ہو (۵) اور پھر یہ کہ یہ عاجز بھی ان تمام واقعات کے پورے ہونے تک فوت نہ ہو (۶) اور پھر یہ کہ اس عاجز سے نکاح ہو جاوے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ تمام واقعات انسان کے اختیار میں نہیں۔

اور اگر اب بھی یہ تمام ثبوت میاں عطا محمد صاحب کے لئے کافی نہ ہوں تو پھر طریق سہل یہ ہے کہ اس تمام رسالہ کو غور سے پڑھنے کے بعد بذریعہ کسی چھپے ہوئے اشتہار کے مجھ کو اطلاع دیں کہ میری تسلی ان امور سے نہیں ہوئی اور میں ابھی تک افترا سمجھتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ میری نسبت کوئی نشان ظاہر ہو تو میں انشاء اللہ القدیر انکے بارہ میں توجہ کرونگا اور میں یقین رکھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کسی مخالف کے مقابل پر مجھے مغلوب نہیں کرے گا کیونکہ میں اسکی طرف سے ہوں اور اس کے دین کی تجدید کے لئے اس کے حکم سے آیا ہوں لیکن چاہیئے کہ وہ اپنے اشتہار میں مجھے عام اجازت دیں کہ جس طور سے میں اُن کے حق میں الہام پاؤں اس کو شائع کرادوں اور مجھے تعجب ہے کہ جس حالت میں مسلمانوں کو کسی مجدد کے ظاہر ہونے کے وقت خوش ہونا چاہیئے یہ پیچ وتاب کیوں ہے اور کیوں ان کو برا لگا کہ خدا تعالیٰ نے اپنے دین کی حجت پوری کرنے کے لئے ایک شخص کو مامور کر دیا ہے لیکن مجھے معاف کیا ہے کہ حال کے اکثر مسلمانوں کی ایمانی حالت نہایت ردی ہو گئی ہے اور فلسفہ کی موجودہ زہر نے انکے اعتقاد کی بیخکنی کر دی ہے ان کی زبانوں پر بیشک اسلام ہے لیکن دل اسلام سے بہت دور جا پڑے

ہیں خدائی کام اور الٰہی قدرتیں اُن کی نظر میں ہنسی کے لائق ہیں ایسا ہی میاں عطا محمد
کا حال ہے مجھے یاد ہے کہ جب بمقام امرتسر مسٹر عبداللہ آتھم صاحب کو ان کی موت
کی نسبت پیشگوئی سنائی گئی تو میاں عطا محمد نے میرے فرودگاہ میں آکر میرے رو
برو ایک مثال کے طور پر بیان کیا کہ ایک ڈاکٹر نے میری موت کی خبر دی تھی کہ اتنی
مدت میں عطا محمد فوت ہو جائے گا مگر وہ مدت خیر سے گذر گئی اور مینے اس کے بعد
ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کو سلام کیا۔ اس نے کہا کہ تم کون ہے مینے
کہا وہی عطا محمد جس کے مرنے کی آپ نے پیشگوئی کی تھی مطلب یہ کہ تمام امور جھوٹ
اور لغو ہیں۔ مگر میاں عطا محمد کو یاد رہے کہ ڈاکٹر کی مثال اس جگہ دینا صرف اس قدر
ثابت کرتا ہے کہ آسمانی روشنی سے آپ بکلی بے خبر ہیں بیشک ایک ہستی موجود ہے جس کا
نام خدا ہے اور وہ اپنے سچے مذہب کی تائید میں نہ صرف کسی زمانہ محدود تک
بلکہ ہمیشہ ضرورت کے وقت میں آسمانی نشان دکھلاتا ہے اور دُنیا
کا ایمان نئے سرے قائم کرتا ہے۔ ڈاکٹر کی مثال سے ظاہر ہے
کہ آپ کا اس خدا پر ایمان کس قدر ہے اب میں
مناسب دیکھتا ہوں کہ اس رسالہ کو اسی جگہ
ختم کردوں۔ فالحمد للہ اوّلاً و
آخراً وظاہراً وباطناً

ھُو مولٰنا نعم المولیٰ و نعم النصیر

المؤلف

عاجز غلام احمد قادیانی

۲۲ ستمبر سنہ ۱۸۹۳ء مقام قادیان روز جمعہ

مختصر فہرست کتب

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

نام کتاب	قیمت
پرانی تحریریں	۳ر
براہین احمدیہ حصہ اوّل تا حصہ چہارم	۳ے ر
شحنۂ حق	۶ر
حقانی تقریریں یعنی سبز اشتہار	
شرائط بیعت مع تکمیل تبلیغ	
فتح اسلام	۳ر
توضیح مرام	
آسمانی فیصلہ	
الحق لدھیانہ (مباحثہ)	
نشان آسمانی	
برکاتُ الدّعاء	۴ر
حجۃ الاسلام	۲ر
سچائی کا اظہار	۲ر
شہادت القرآن	
نور الحق حصہ دوم	۴ر
اتمام الحجۃ	۲ر

نام کتاب	قیمت
ضیاء الحق	۴ر
مِننُ الرحمٰن	۷ر
نور القرآن ہر دو حصہ	۸ر
اسلامی اصول کی فلاسفی	۸ر
استفتاء	۲ر
تحفہ قیصریہ	
حُجۃُ اللہ	
سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب	۳ر
الانذار	۲ر
فریاد درد یعنی البلاغ	۳ر
راز حقیقت	
کشف الغطاء	۲ر
ایام الصلح	عمہ ر
حقیقت المہدی	۲ر
ستارہ قیصرہ	۲ر
آریہ دھرم	۴ر

نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت
تریاق القلوب	عہ ر	لیکچر لاہور	۲ر
تحفہ غزنویہ	۴ر	حضرت اقدس کی تقریریں	۳ر
لجۃ النور	۶ر		
اربعین نمبر ۱ تا ۴	۴ر	الندا من وحی السماء	ار
روئداد جلسہ دعا	۲ر		
ایک غلطی کا ازالہ	ار	چشمہ مسیحی	۳ر
دافع البلاء و معیار الاصطفاء		تجلیات الٰہیہ	۲ر
کشتی نوح		قادیان کے آریہ اور ہم	ار
تحفہ ندوہ	ار	پیغام صلح	۲ر
اعجاز احمدی	۴ر	نبذہ از کلام احمدؐ	۳ر
ریویو برمباحثہ چکڑالوی و بٹالوی	ار	ملفوظات حضرت مسیح موعودؑ حصہ اول	۸ر
نسیم دعوت	۴ر	الخطاب الجلیل	عہ ر
سناتن دھرم	ار	تبلیغ رسالت جلد اول تا ششم	لحہ ر
سیرۃ الابدال	ار		

ملنے کا پتہ

مینیجر بکڈپو تالیف و اشاعت قادیان ضلع گورداسپور

(پبلشر مہتمم نشر و اشاعت قادیان)